وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور

صراط مستقیم

تالیف:

مولانا مجیب الرحمن مدظلہ
استاد جامعہ محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

صراط مستقیم

تالیف

جامع المعقول و المنقول

مولانا مجیب الرحمن صاحب

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفِ چند)

مولانا مجیب الرحمن مدظلہ

ڈیرہ اسماعیل خان کے عالم دین مولانا مجیب الرحمن صاحب نے ''عقیدہ حیات النبی ﷺ اور صراط مستقیم'' کتاب ۱۴۳۵ھ میں لکھی جو مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہوئی۔ اس میں چار آیات، سترہ احادیث مبارکہ اور اجماع سے حیات النبی ﷺ کو ثابت کیا۔

اور عقیدہ حیات النبی ﷺ پر کراچی کی عثمانی جماعت اور اشاعۃ التوحید کے دوستوں کے اعتراضات کے جوابات تحریر کیے جس سے یہ ایک دستاویز بن گئی جو اس مجموعہ میں شامل اشاعت ہے۔(ناشر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً: امابعد!

قارئین کرام! مسئلہ حیات النبی ﷺ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے، پاکستان بننے کے گیارہ سال بعد اس مسئلہ کا انکار کیا گیا، بعض نے اس کو شرک کا چور دروازہ، بعض نے شرک قرار دیا ہے۔ اسی وقت سے اکابرین نے اس مسئلہ پر مختلف کتابیں اور رسائل لکھے۔

پیش نظر کتاب "عقیدہ حیات النبی ﷺ اور صراط مستقیم" مؤلفہ حضرت مولانا مجیب الرحمن صاحب مدظلہ آپ کے سامنے ہے۔

مؤلف نے اس مسئلہ کو چار آیات اور سترہ احادیث اور اجماع اہل سنت سے ثابت کیا ہے، احادیث پر فنی بحث کر کے ان کی صحیح اور مفہوم احادیث پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اور آخر میں منکرین کے رسالہ اعلان حق کا بھی مدلل جواب تحریر کیا ہے اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی عبارات پر اور دوسرے بعض بزرگوں کی عبارات پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔

بندہ نے چیدہ چیدہ مقامات سے اس کو دیکھا ہے، انتہائی مفید مضامین ہیں، اہل حق مسلک حق میں پختگی اہل زیغ کے لئے یہ نسخہ شفا ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس فرض کفایہ کی ادائیگی پر سب مسلمانوں کی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین!

کتبہ محمد انور اوکاڑوی

مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ المھتدین و علی من تبعھم و احبھم اجمعین الی یوم الدین اما بعد۔

عقیدہ اور ایمان ایک چیز ہے جو تمام ضروریات دین کو ماننے کا نام ہے کسی ضروری بات کے انکار سے آدمی ایمان کھو کر کفر میں چلا جاتا ہے، اور جو ضروریات کے درجہ میں ثابت نہ ہو مگر نصوص ظنیہ سے ثابت ہو اس کو ماننا بھی ضروری ہے مگر اس کے انکار سے ایمان ختم نہ ہوگا بلکہ منکر فاسق اور بدعتی ہوگا، ایمانیات میں سے تین اصل ہیں اللہ تعالیٰ پر اور رسول کریم ﷺ پر اور قیامت پر ایمان، باقی چیزیں ان اصولوں کے تحت ہیں، اللہ تعالیٰ پر ایمان اللہ تعالیٰ کے لئے تمام صفات کمال ماننا اور تمام عیوب اور نقائص سے پاک ماننا ہے، اور رسول کریم ﷺ پر ایمان یہ ہے کہ آپ ﷺ جب سے بھیجے گئے تب سے اب تک اور قیامت قائم ہونے تک آپ ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں وفات سے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت ختم نہیں ہوئی، آپ آخری نبی ہیں آپ ﷺ جو کچھ بھی لے کر آئے ہیں سب حق ہے چاہے قرآن مجید کی صورت میں ہو یا حدیث نبوی کی صورت میں ہو عقل میں آئے یا نہ آئے، اور قیامت حق ہے، موت کے بعد عالم برزخ کی زندگی جو موت سے شروع ہوتی ہے ہر شخص کی قیامت کا ابتدائی مرحلہ اور قیامت

صغریٰ ہے جیسے حضرت انس وغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک میں ہے۔من مات فقد قامت قیامتہ (کتاب ذکر الموت لابن ابی الدنیا ص ۱۷۳، القاصد الحسنہ ص ۴۳۵) جس نے وفات پائی اس کی قیامت قائم ہوگئی ہے۔

اور حضرت عثمان کی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ان القبر اول منزل من منازل الآخرۃ (مصابیح السنۃ ج ۱ ص ۲۸ حدیث نمبر ۹۱) بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

گویا مجرم کے لئے تھانہ اور مہمان کے لئے اترنے کا اڈہ ہے اس کے بعد جب قیامت کبریٰ قائم ہوگی تو مجرم کے لئے جہنم والی جیل اور مہمان کے لئے جنت کا مہمان خانہ ہوگا، نہ تھانے اور استقبالی اڈے کا انکار جائز ہے نہ جیل اور مہمان خانے کا انکار جائز ہے کیونکہ یہ بھی قیامت کے حصہ کا انکار ہوگا اس لئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے: بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نہ باشد در الحاد بودن اوشبہ نیست (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸۸ بحوالہ سماع الموتیٰ) حاصل یہ ہے کہ مردوں کے شعور و ادراک کا انکار کرنا اگر کفر نہ ہو تو اس کے الحاد (بے دینی) ہونے میں شک نہیں ہے۔

اور کئی فقہاء نے لکھا ہے: لا تجوز الصلوۃ خلف من ینکر ... عذاب القبر لانہ کافر (طحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہ) جو عذاب قبر کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہے۔ اور عذاب قبر اور راحت قبر کے لئے ضروری ہے کہ قبر میں زندگی ہو کیونکہ عذاب و راحت کا ادراک حس کے بغیر نہیں ہوسکتا اور حس زندگی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اس لئے حضرات فقہاء نے کتاب الیمین میں مسئلہ ضرب میں صاف تحریر کیا ہے۔ و من یعذب فی القبر یو ضع فیہ الحیاۃ فی قول العامۃ (ہدایہ وغیرہ) جس کو قبر میں عذاب ہوگا جمہور علماء کے نزدیک اس میں زندگی ڈالی جائے گی۔

اسلاف کے واضح ارشادات موجود ہونے کے باوجود آج وہ طبقہ پیدا ہو گیا جو اپنے اہل سنت والجماعت بلکہ دیوبند میں سے ہونے کے دعوی کے باوجود معتزلہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلاف سے بیزار ہو کر کہتا ہے کہ قبر میں بالکل زندگی نہیں ہے، عذاب و راحت صرف روح کے لئے ہے، اور روح علیین یا سجین میں ہوتی ہے، اور جسم عنصری سے اس کا کوئی تعلق نہیں نہ جسم عنصری کو عذاب و ثواب ہوتا ہے نہ نبی ﷺ کی قبر میں ان کے جسم عنصری کی حیات ہے نہ کسی اور کی قبر میں حیات ہے، اور بڑے دھڑلے سے کہتے ہیں کہ ہم صرف وہی عقیدہ مانتے ہیں جو قرآن مجید کی غیر محتمل آیات میں ہو یا احادیث متواترہ میں ہو، اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ بھی قرآن مجید کے خلاف ہوگا ہم اس کو بھی تسلیم نہیں کریں گے، نام قرآن مجید کا لیتے ہیں لیکن مراد ان کی اپنی سمجھ اور من مانی تفسیر کے مطابق ہوتا ہے، اس کو قرآن کا نام دیتے ہیں حالانکہ قرآن و حدیث ہی اسلاف کی پیروی کی ہدایت دیتے ہیں صراط مستقیم پر چلنے کی تعلیم پہلی سورت میں دی گئی اور اس میں صراط مستقیم اسلاف کی راہ کو فرمایا گیا اور ایک جگہ فرمایا گیا۔

و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی و نصلہ جھنم و ساءت مصیراً۔ جو واضح ہو جانے والی ہدایت کے بعد رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راہ کو چھوڑ کر چلے گا ہم اس کو ادھر ہی جانے دیں گے جدھر کو جائے گا، اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔

اس آیت میں مومنین کی راہ پر چلنے پر جنت میں پہنچنے کی خوش خبری اور اس کو چھوڑنے پر جہنم میں پہنچنے کی وعید ہے، تو جنت میں جب پہنچنا ہوگا جب اسلاف کی راہ پر چلیں، یہ لوگ اس کے جواب میں وہ آیات پیش کرنے لگتے ہیں جن میں دور جاہلیت کے بے دین اسلاف کی پیروی کی مذمت کی گئی ہے، اور کہتے ہیں ہمیں قرآن مجید کی پیروی کا حکم ہے: اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم و لا تتبعوا من دونہ اولیاء۔

جواب یہ ہے کہ جن کی پیروی کی برائی ذکر ہوئی وہاں فرمایا گیا: اولو کان آباؤھم لا یعقلون شیئا و لا یھتدون کیا تب بھی اپنے آباء کی ہی اقتداء کریں گے جب آباء نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ راہ راست پر ہوں۔

تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے اسلاف، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور فقہا ومفسرین ومحدثین رحمہم اللہ بھی جاہلیت کے اسلاف کفار کی طرح تھے؟ شاباش! تم نے اسلاف کو لا یعقلون اور لا یہتدون سمجھا؟ یہاں تو ان اسلاف کی پیروی کی خدمت ہے جو لا یعقلون اور لا یھتدون ہیں ہمارے اسلاف تو ایسے نہ تھے وہ یعقلون اور یہتدون (یعنی سیدھی راہ پر اور دین کی سمجھ رکھنے والے) تھے، بہر حال ایسے نالائق اخلاف اپنے اسلاف سے کٹنے والے پیدا ہو گئے جو عقائد میں اسلاف کی سمجھ کو معتبر نہیں سمجھتے ان میں سے جمعیت اشاعت بھی ہے جس کی بنیاد توحید وسنت کی خدمت کے نام پر رکھی گئی مگر انہوں نے تقاریر کا موضوع اکابرین علماء اہل سنت و علماء دیو بند کے متفقہ اجماعی عقائد ونظریات کو بنالیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں زندہ نہیں مردہ ہیں (معاذ اللہ) اور حضور ﷺ قبر اطہر کے پاس پڑھا ہوا صلاۃ وسلام نہیں سنتے حالانکہ آج تک کوئی بھی اہل حق انبیاء علیہم السلام کی قبور کی زندگی اور حضور ﷺ کے عند القبر سماع صلاۃ وسلام کا منکر نہیں ہوا ہے، اس رسالہ میں ہمارا موضوع سخن یہی مضمون ہے ہم نے الحمد للہ ثابت کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نبی کریم ﷺ اپنی قبر اطہر کے پاس پڑھا جانے والا درود وسلام سنتے ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور ان کے سماع پر زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ عام مردوں کی حیات اور سماع ثابت ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور سماع بطریق اولی ثابت ہے، کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام فضیلت میں دوسرے انسانوں سے بڑھ کر ہیں تو جو فضیلت ادنیٰ کے لئے ثابت ہوگی اعلیٰ کے لئے بطریق اولیٰ ثابت ہوگی، بہر حال ناموس رسالت میں حصہ ڈالنے کے لئے اس کو ثابت کرتے ہوئے چند دلائل بطور اتمام حجت درج کئے گئے ہیں۔

باب اوّل: ...... قرآن مجید اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

__پہلی آیت:__ قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (بقرہ: ۱۵۴) جو اللہ کے راستہ میں مارے جائیں ان کو نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

__دوسری آیت:__ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون (آل عمران: ۱۶۹) جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے ان کے متعلق مردے ہونے کا گمان بھی نہ کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے مقرب ہیں ان کو روزی ملتی ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کی زندگی بیان فرمائی ہے جو ان کی فضیلت ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام شہداء سے بھی درجہ میں بڑھ کر ہیں تو ان کی زندگی آیت کریمہ سے بطریق اولی بدلالت النص ثابت ہوگی کیوں کہ قرآن مجید نے بتایا کہ انسانوں میں اوّل درجہ کے اللہ کے مقرب انسان انبیاء دوم صدیقین سوم شہداء چوتھے صالحین ہیں، جب تیسرے درجہ والوں کو مرنے کے بعد زندگی حاصل ہے تو اول، دوم درجہ والے بطریق اولی زندہ ہیں، اسی وجہ سے اس آیت کے تحت اکابرین انبیاء علیہم السلام کی زندگی بیان کرتے اور آیات شہداء کو دلیل بناتے ہیں۔

۱...... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حضرات انبیاء کرام علیہم السلام (موت کے بعد کی زندگی میں) شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتی کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر ظاہری اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا پس اس حیات میں قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مردے، البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء صالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں۔" (بیان القرآن ج ۲ ص ۸۷،۹۰ طبع مطبع مجتبائی دہلی)

حکیم الامت یہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حیات نبوی علم میں مجھ سے گفتگو کی میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے بل احیاء عند ربھم اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیونکر زندہ نہ ہوں گے؟ اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں اس میں حدیث صریح موجود ہے اور یہ تائید کے درجہ میں ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۳۵۷ طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ)

۲...... علامہ شمس الدین سخاوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و من ادلة ذالك ایضاً قوله تعالی و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون الخ! (القول البدیع ص ۱۷۳)

قبر میں حیات النبی ﷺ کے دلائل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے یعنی آیت حیات شہداء۔

۳...... امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ویدل علی ذالك ان الشهداء بعد قتلهم و موتهم احیاء یرزقون فرحین مستبشرین وهذه صفة الاحیاء فی الدنیا و اذا کان هذا فی الشهداء. فالانبیاء احق بذالك و اولی، (انباء الاذکیاء، الحاوی ج ۲ ص ۱۴۹) اور (حیات انبیاء کے دلائل میں سے) یہ بھی دلیل ہے کہ شہداء شہادت اور وفات کے بعد زندہ اور رزق کھاتے اور خوش ہیں اور (زندوں کو) خوشخبریاں دیتے ہیں اور یہ باتیں دنیا کے زندوں کی صفت ہیں اور جب شہداء میں یہ باتیں ہیں تو انبیاء علیہم السلام اس کے زیادہ حقدار اور لائق ہیں۔

۴...... علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: و قد قال تعالی فی الشهداء و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون و الانبیاء اولی بذالك فهم اجل و اعظم و ما نبی الا وقد جمع مع النبوة و صف الشهادة فیدخلون في عموم لفظ الآیة (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۸ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت) اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا ہے اور جو اللہ کے راستہ میں مارے جائیں ان کو مردے نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں رب کے مقرب ہیں اور ان کو روزی ملتی ہے اور انبیاء علیہم السلام اس کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ وہ بڑے مرتبہ اور عظمت والے ہیں اور جو نبی بھی ہے اس نے نبوت کے ساتھ شہادت کی خوبی بھی جمع کی ہوئی ہے تو وہ بھی آیت کے عموم میں داخل ہوں گے۔

۵...... علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فان ارواح الشهداء مع ان مرتبتهم دون مرتبة الانبیاء اذا کانت في اجواف طیر خضر تسرح فی ریاض الجنة ثم تعود الی قنادیل معلقة تحت العرش کما هو مقرر و فی محله محرر مع انه لم یقل احد ان قبورهم خالیة عن اجسادهم و ارواحهم غیر متعلقة باجسامهم لئلا یسمعوا سلام من یسلم علیهم و کذا ورد ان الانبیاء یلبسون ویحجون لنبینا اولی بهذه الکرامات" (جمع الوسائل ج ۲ ص ۳۰۰) بے شک شہداء کی روحیں باوجودے کہ ان کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے درجہ سے کم ہے جب وہ

سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہو کر جنت کے باغات میں چرتی اور پھر عرش کے نیچے کی قندیلوں میں لوٹ آتی ہیں جیسا کہ ثابت ہے اور اپنے موقع میں تحریر ہے، باوجودیکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ ان کی قبریں ان کے جسموں سے خالی ہیں، اور ان کی روحوں کا ان کے جسموں سے تعلق نہیں تا کہ سلام کرنے والے کے سلام کو نہ سنے ایسے ہی منقول ہے کہ انبیاء علیہم السلام تلبیہ پڑھتے اور حج کرتے ہیں تو ہمارے نبی کریم ﷺ ان اعزازات کے بطریق اولی لائق ہیں۔

۶...... علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: وایں حکم مخصوص بشہدا نیست انبیاء وصدیقین از شہداء افضل اند و اولیاء ہم حکم شہداء اند کہ جہاد بانفس خود کردہ اند کہ جہاد اکبر است (تذکرۃ الموتی والقبور ص ۳۰) اور یہ حکم شہداء سے خاص نہیں انبیاء وصدیقین شہداء سے افضل ہیں (تو وہ بھی داخل ہیں) اور اولیاء کا حکم بھی شہداء کا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے نفس سے جہاد کیا جو جہاد اکبر ہے۔

۷...... حضرت مولانا سعید احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عالم برزخ کی زندگی ہر شخص کے ادراک میں نہیں آسکتی لیکن یہ یقینی ہے کہ مرنے کے بعد زندگی ضرور ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس عالم کی زندگی کے مختلف مدارج ہیں ایک انبیاء کی زندگی ہے ایک وہ زندگی ہے جو شہداء کو حاصل ہے ایک وہ زندگی ہے جو علماء کو حاصل ہے ایک وہ زندگی ہے۔ جو حافظ قرآن کو حاصل ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ ہے، انبیاء کی زندگی اتنی قوی ہے کہ اس کا اثر اس عالم میں پایا جاتا ہے مثلاً ان کی بیویوں سے نکاح نہ کرنا، ان کے ورثہ کا تقسیم نہ ہونا، ان کے جسم کا قبر میں محفوظ رہنا (ان کی ارواح کا جسم کے ساتھ قائم رہنا) قبر پر جا کر سلام کرنے والے کے سلام کو سننا اور اس کا جواب دینا، شہداء کی زندگی ان سے کم درجہ ہے۔ (کشف الرحمن ص ۱۳۴ کا ضمیمہ، مکتبہ رشیدیہ کراچی) اکابر کی یہ عبارات اپنے مفہوم میں واضح ہیں، ان حضرات نے شہداء کی آیت سے صرف انبیاء علیہم السلام کی حیات ثابت نہیں کی بلکہ موت کے بعد ہر آدمی کی حیات کو بیان کیا ہے، اب یہ کہ شہداء کی حیات صرف روحانی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ جسم وروح دونوں کی حیات ہے، اس وجہ سے کہ آیت میں مقتول کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا ہے اور مقتول کا اطلاق جسم عنصری پر ہوتا ہے نہ کہ روح پر اس لئے کہ قتل جسم عنصری کو کیا جاتا ہے نہ جسم مثالی کو اور نہ روح کو، بلکہ روح پر تو موت بھی نہیں آتی، اس کا صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہوتا ہے، اس لئے نہ روحانی زندگی آیت کا مصداق ہوسکتی ہے نہ جسم مثالی کی زندگی، بلکہ جسم عنصری کی زندگی ہی مصداق ہے۔

نیز اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو رزق ملتا ہے اور حضرت تھانوی اور مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس رزق سے مراد رزق حسی ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رزق حسی مراد ہونا ظاہر و متبادر کہتے ہیں۔

(مرقات ج ۳ ص ۴۱۵)

مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حاشیہ مشکوۃ میں رزق سے حسی مراد لیا ہے، اور یہ جو فرمایا کہ خوش ہوتے ہیں، یہ ان کا رزق معنوی ہے، اور ظاہر ہے کہ رزق حسی کی ضرورت حسی چیز کو ہے جو کہ جسم ہے اور رزق معنوی کی ضرورت معنوی چیز کو ہے جو کہ روح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے جسموں کو بھی رزق ملتا ہے اور روحوں کو بھی اور جسم کو رزق ملنا جسمانی حیات کی دلیل ہے، تو اس تفصیل کے مطابق ان کی روحانی اور جسمانی دونوں زندگیاں قرآن مجید سے ثابت ہوئیں اور جسم کی زندگی تعلق روح کے بغیر نہیں ہوسکتی اس لئے روحوں کا ان کے جسموں سے تعلق ثابت ہوا۔

شہداء کی زندگی روح وجسم دونوں کی ہے

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واختلف فی ھذہ الحیاۃ فذھب کثیر من السلف الی انھا حقیقۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندرکھا فی ھذہ النشاۃ۔ وذھب البعض الی انھا روحانیۃ، ولا یخفی ان ھذہ الاقوال ماعدا الاولین فی غایۃ الضعف بل نھایۃ البطلان والمشھور ترجیح القول الاوّل''

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۰)

''شہداء کی اس حیات میں اختلاف ہے بہت سے اسلاف کا مذہب یہ ہے کہ یہ حیات حقیقی اور روح وجسم دونوں سے ہے لیکن ہم اس زندگی میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے، اور بعض نے کہا کہ یہ روحانی حیات ہے (بعض نے کہا یہ حیات ابھی نہیں قیامت میں ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ زندگی سے مراد محض اطاعت اختیار کرنے اور ہدایات حاصل ہونے کی زندگی ہے، ایک قول صرف حکماً حیات کا ہے) اور یہ بات ظاہر ہے کہ پہلے دو قولوں کے سوا باقی اقوال ضعیف بلکہ انتہائی باطل ہیں اور مشہور یہ ہے کہ پہلا قول راجح ہے۔''

۲...... مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''(شہداء کی حیات کے متعلق) ایک گروہ نے کہا ہے کہ حیات صرف روحانی ہوتی ہے لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی وروحانی دونوں کو ہوتی ہے۔''

(تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۵۹ طبع تاج کمپنی)

اور جب شہداء کی حیات میں راجح یہ ہے کہ روحانی جسمانی دونوں طرح حیات ہے تو یہی بلکہ اس سے زیادہ روحانی وجسمانی زندگی انبیاء علیہم السلام کی ثابت ہوئی۔

۳...... مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جمہور علماء کے نزدیک شہداء کی حیات جسمانی ہے کیونکہ موت اور قتل کا تعلق جسم سے ہے۔'' (معارف القرآن ج ۱ آیت شہداء)

۴...... امام ابوحیان نحوی مفسر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اختلف الناس فی ھذہ الحیاۃ فقال قول معناہ بقاء ارواحھم دون اجسادھم لانا نشاھد فسادھا وفناءھا وذھب آخرون الی ان الشھید حی الجسد والروح ولا یقدح فی ذالک عدم شعورنا بہ فنحن نراھم علی صفۃ الاموات وھم احیاء۔ (شرح الصدور ص ۱۷۷، ۱۷۸ بحوالہ تفسیر بحر محیط)۔ ''علماء نے شہداء کی اس حیات میں اختلاف کیا، تو کچھ علماء نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ ان کی روحیں باقی رہتی ہیں جسم نہیں رہتے کیونکہ جسموں کے خراب اور فناء ہونے کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، اور دوسرے حضرات اس طرف گئے ہیں کہ شہید جسم وروح دونوں سے زندہ اور ہمیں شعور نہ ہونا اس کو عیب نہیں لگاتا تو ہم ان (کے جسموں) کو مردوں کی صفت پر دیکھتے ہیں لیکن وہ زندہ ہیں (پھر اسی قول کو دلائل سے ترجیح دی ہے)''

۵...... مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے بحث کرتے ہوئے شہداء کی روحانی جنتی حیات بھی ذکر فرمائی مگر صرف روحانی نہیں فرمائی بلکہ جسم عنصری کی حیات بھی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بایں ہمہ شہید جسمانی طور پر بھی زندہ ہے اسے مردہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ لمن یقتل فی سبیل اللہ کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ قتیل و شہید فی سبیل اللہ وجود اور جسم ہے، لہذا شہید کے وجود اور جسم کو بھی مردہ نہیں کہہ سکتے، وہ زندہ ہے ایک تو اکراماً دوسرے جسم کے ساتھ روح کے تعلق ہونے کی وجہ سے، اور روح کا یہ تعلق ہر میت کے ساتھ ہے۔ (حیات الاموات ص ۸۸)

شہداء کی جسم عنصری والی زندگی کے مختلف شواہد

شہداء کے اجسام عنصریہ میں زندگی ہونے کے مختلف شواہد بھی موجود ہیں جن سے روح کے تعلق سے ان کی جسم عنصری کی زندگی کی واضح تائید ہوتی ہے۔

۱...... مروان بن حکم کے ظالمانہ ہاتھوں سے عشرہ مبشرہ میں سے شہید ہونے والے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی قبر ی کے قریب تھی، بالآخر پانی ان کے جسم تک پہنچ گیا تھا تو انہوں نے خواب میں اپنے گھرانہ کے فرد یا اپنے آزاد کردہ غلام کو اپنی تکلیف کی اطلاع کی: الاتـریحوني من هذا الماء.. كانه يشكوا جسم عنصری اليه البر د.... حولونی عن قبری فقد آذاني الماء (الاستیعاب ج۲ ص ۱۰۴) فرمایا مجھے اس پانی سے راحت کیوں نہیں پہنچاتے ہو؟ پانی سے ٹھنڈ پہنچنے کی شکایت کر رہے تھے، فرمایا میری قبر یہاں سے تبدیل کرو مجھے پانی نے تکلیف پہنچا رکھی ہے۔

چنانچہ ان کی قبر کھودی گئی، تو زمین سے ملا ہوا جسم کا حصہ سبز ہو رہا تھا آنکھوں کے درمیان لگائی ہوئی کافور تک تبدیل نہ ہوئی تھی، یہاں غور فرمائیں کہ پانی ان کے جسم کو لگ رہا تھا جس سے ان کو تکلیف ہو رہی تھی، ٹھنڈ لگ رہی تھی تو اگر جسم میں کچھ حس وادراک نہیں تھا تو تکلیف اور ٹھنڈ محسوس کرنا چہ معنی؟ خوب غور کریں؟

۲...... حضرت عبداللہ بن تامر جس کا واقعہ سورہ بروج میں اصحاب اخدود کے تحت بیان ہوا ان کے متعلق حضرت عبداللہ بن ابوبکر ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں اہل نجران میں سے ایک شخص نے نجران کی زمین کی کوئی جگہ کھودی تو وہاں حضرت عبداللہ بن تامر شہید دفن تھے، بیٹھے ہوئے حال میں تھے، اپنا ہاتھ سر میں لگی ہوئی چوٹ پر رکھ رکھا تھا، ہاتھ کے ذریعہ خون بہنے کو روکے ہوئے تھے، جب ان کا ہاتھ ہٹایا جاتا تو خون بہنا شروع ہو جاتا، اور جب ہاتھ چھوڑا جاتا تو ہاتھ اسی جگہ جا لگتا اور اس کا خون روک دیتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کی گئی تو حکم فرمایا کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۹۵، روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۰۱ مختصراً، تفسیر ابواللیث سمرقندی ج ۳ ص ۴۶۵ طبع مکتبہ رحیمیہ اکوڑہ خٹک) حضرت عبداللہ بن تامر کا اپنے خون کو روکنے کے لئے زخمی جگہ پر ہاتھ رکھے ہوئے ہونا، ہاتھ دور کرنے سے خون بہنا شروع ہو جانا، ہاتھ چھوڑنے سے دوبارہ ہاتھ کا زخمی جگہ پر خود جا پہنچنا اور خون تھم جانا یہ سب جسم عنصری کی حیات کے بغیر ممکن ہی کیسے ہے؟

۳...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ (شہداء احد) کی قبروں کو سیلاب نے کھود لیا تھا، قبریں سیلابی زمین کے متصل تھیں، پھر ان کی قبروں کی جگہ بدلنے کے لئے قبریں کھودیں گئیں فوجدا لم يتغيرا كانما ماتا بالامس و كان احدهما قد جرح فوضع يده على جر حه فدفن و هو كذالك فاميطت يده عن جر حه ثم ارسلت فرجعت كما كانت (موطا ص ۴۸۲، ۴۸۳) تو ان دونوں حضرات میں کچھ تبدیلی نہیں آئی تھی ایسے لگتا تھا جیسے کل فوت ہوئے ہوں، ان میں سے ایک زخمی ہوا تھا اور اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا تھا تو اسی حال میں وہ دفن کر دیا گیا تھا تو اس کا ہاتھ اس کے زخم سے دور کیا گیا پھر چھوڑا گیا تو اسی حال پر لوٹ گیا جس حال پر تھا، ان کے دفن اور اس واقعہ کے درمیان چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزرا تھا، ان کا زخم پر ہاتھ رکھا رہنا اور اس سے خون تھما رہنا اور دور کئے جانے کے بعد ہاتھ چھوڑنے پر ہاتھ کا اسی جگہ پر جانا جس پر پہلے تھا، اگر جسم عنصری کی حیات کی واضح دلیل نہیں تو کیا ہے؟

۴...... حضور ﷺ کے صحابی حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، ان کی شہادت کے بعد ایک مسلمان ان کے پاس سے گزرا اس نے ان کے جسم سے عمدہ ذرہ اتاری اور گھر میں ذرہ چھپادی، اس پر چکی رکھ دی، چکی کے اوپر پالان رکھ دیا، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ خواب میں ایک ساتھی کو ملے، بتایا کہ فلاں مسلمان میرے پاس سے گزرا تھا اس نے میری ذرہ چرالی، گھر کی فلاں جگہ فلاں طریقہ سے رکھی ہے، اس سے لے لو، اور اس کو محض خواب سمجھ کر بے پرواہی نہ کرنا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کرنا کہ وہ ذرہ بیچ کر رقم مساکین پر خرچ کر دیں، اور میرے اوپر اتنا اتنا قرض ہے اور میرا فلاں فلاں غلام آزاد ہے، چنانچہ وہ ذرہ وصول کی گی، اور قرض ادا کیا گیا اور غلام آزاد کر دیئے گئے۔ (الاستیعاب ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱۔ روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳ و صححہ الآلوسی)

شہید کے جسم سے ذرہ اتارنے والے کو شہید کا جان لینا اور اس کا گھر تک معلوم کر لینا اور بتانا کہ ذرہ کہاں اور کس کیفیت سے رکھی ہوئی ہے؟ (یہ عرض اعمال کے ذریعہ علم ہوسکتا ہے) یہ سب شہید کی جسم عنصری والی حیات اور ادراک وشعور کے بغیر کیسے اور کیوں ہوسکتا ہے؟ باقی مرنے کے بعد کی ہوئی وصیت کا نفاذ صرف ان کی خصوصیت ہے۔ تو ان آیات کریمہ سے ان کی جسم عنصری والی قبر کی زندگی ثابت ہوئی۔

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

یہاں شبہ ڈالا جاتا ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تو شہداء کی صرف روحانی زندگی مانتے ہیں جسم عنصری کی زندگی نہیں مانتے چنانچہ فرماتے ہیں: ہر چہ باد باد بعد موت نہ ارواح شہداء کو ان ابدان کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے نہ ارواح اور مؤمنین کو اتنا فرق ہے کہ بجز دانقطاع علاقہ جسد اول یا بعد چندے شہداء کی ارواح کو تو اور ابدان کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے، اور اس حساب سے ان کو حیات روحانی وجسمانی دونوں حاصل ہو جاتی ہیں۔۔۔ بہر حال ابدان دنیا سے دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔ (آب حیات ص ۱۶۸)

جواب: یہ ہے کہ حضرت نانوتوی کی مختلف عبارات سامنے رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس خاص تعلق کی نفی کرتے ہیں جو دنیا میں ارواح کا ابدان سے تھا ورنہ موت کے بعد بھی جسم عنصری سے ایک قسم کا تعلق مانتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں: ''القصہ زمین بھی (زندہ شخص کی) آواز کو (میت تک) پہنچاتی ہے مگر بہت کم ادھر بعد مرگ روح کو جسم خاکی سے بہت کم علاقہ رہ گیا۔ الغرض ادھر تو روح کو جسم سے وہ تعلق ضعیف ہو گیا۔ پر بایں ہمہ تعلق بھی موجود ہے تو ضعیف ہے۔'' (جمال قاسمی ص ۱۱)

روح کو ایسے لوگوں کے اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا جو وقت حیات تھا۔

(جمال قاسمی ص ۱۲ طبع مکتبہ صدیقیہ حضرو اٹک)

معلوم ہوا کہ وہ اس تعلق کی نفی کرتے ہیں جو وقت حیات تھا اور موت کے بعد دنیا والے تعلق سے ضعیف تعلق روح کا جسم سے مانتے ہیں، اس لئے ان کی عبارت سے یہ مطلب لینا بالکل درست نہیں کہ شہداء اور عام مؤمنین کی زندگی صرف روحوں کی ہے اور جسم بالکل مردہ ہیں۔

شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہونے کی روایت

اس آیت کی تفسیر میں منکرین (اعمش کی سند سے جس پر جرح کرتے ہیں مگر آنکھیں بند کر کے اس

سے مروی) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کر دیا کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں سوار ہو کر جنت کی سیر کرتی اور وہاں کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے ساتھ لٹکی قندیلوں میں آکر رہائش کرتی ہیں، اور یہ حدیث آیت کی تفسیر کے طور پر وارد ہوئی ہے، لہذا اس حدیث کے مطابق شہداء کی زندگی صرف روحانی ہے جسم عنصری کی زندگی نہیں ہے۔

لیکن یہ غلط فہمی ہے کیونکہ حدیث میں روحوں کا مقام بتایا گیا ہے کہ وہ جنت میں اور عرش کے نیچے کے قندیلوں میں رہتی اور چکر لگاتی ہیں، اس میں یہ بات کہاں سے ثابت ہوئی کہ جسم عنصری مردہ ہے اس میں زندگی نہیں؟ بحث تو اس میں ہے، اور یہ حدیث جمہور کے مسلک کے خلاف تب ہے جب روح کے جسم سے تعلق کی نفی ہو، جب کہ روح دوسری جگہ رہ کر تعلق رکھ سکتی ہے، جیسے نیند کی حالت میں آدمی خواب دیکھتا ہے کہ مثلاً مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ گیا اور خواب اہل سنت کے نزدیک ایک حقیقت ہے اس پر قرآن وسنت نص ہے، (راہ حق میں تفصیل دیکھیں) تو خواب میں مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ روح گئی مگر جسم سے اس طرح لاتعلق نہیں ہوئی کہ جسم مردہ ہو بلکہ تعلق رہا، ایسے ہی شہداء کی یا عام مسلمان مردوں کی روحیں جنت کی سیر کریں عرش کے نیچے رہیں تو بھی جسم مکمل طور پر مردہ نہیں ہوتا بلکہ روح کا اس سے تعلق رہتا ہے اور تعلق رہنے کی ایک دلیل یہی آیت شہداء ہے جو جسم عنصری کی زندگی بتاتی ہے جیسا کہ تفصیل سے ذکر ہو گیا ہے (دوسرے بھی بکثرت دلائل ہیں جو اگلے مضمون میں ذکر ہوں گے ان شاء اللہ البتہ وہ زندگی عالم غیب کی ہے اور عالم غیب کا حال اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ جتنا بتایا ہے اس پر ایمان اللہ ورسول ﷺ پر اور ان کے احکام پر ایمان ہے بندہ جب عالم غیب میں پہنچے گا تب اسے دیکھ لے گا اس سے پہلے بن دیکھے ایمان ضروری ہے اس کے بغیر ایمان نہیں ہو سکتا)

علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا ہے: ''وقول اهل السنة من الفقهاء والمحدثين وغيرهم ان الروح تحس وتدرك وتاكل وتشرب في البرزخ من الجنة كم دلت عليه السنة الصحيحة في ارواح الشهداء خصوصاً والمؤمنين عموماً ومع هذا فلها شان آخر غير شان البدن فانها تكون في الملاء الاعلى فوق السموات وقد تعلقت بالبدن تعلقاً يقتضي رد السلام على من سلم وهي في مستقرها مع الرفيق الاعلى وقد مر النبي ﷺ ليلة الاسراء على موسى قائماً يصلي في قبره ثم رأه في السماء السادسة ولم تكن صلاة موسى في قبره بموجبة مفارقة روحه للسماء السادسة وحلولها في القبر بل هي في مستقرها ولها تعلق بالبدن قوى حتى حمله على الصلاة واذا كان النائم تقوى نفسه وفعلها في حال النوم حتى تحرك البدن وتقيمه وتؤثر فيه فما الظن بارواح الانبياء وقت ثبت في الصحيح ان ارواح الشههداء في حواصل طير خضر۔ وهذا شانها حتى يبعثها الله سبحانه الى اجسادها ومع هذا فاذا زارهم المسلم وسلم عليهم عرفوا به وردوا عليه السلام بل ونسمة المؤمن كذالك......'' (الصارم المنکی ص ۲۱۷)

اہل سنت فقہاء محدثین وغیرہم اس کے قائل ہیں کہ روح محسوس کرتی اور ادراک کرتی ہے اور برزخ میں جنت سے کھاتی پیتی ہے جیسا کہ شہداء کی روحوں سے متعلق خصوصاً اور سب مؤمنین کی روحوں سے متعلق عموماً سنت صحیحہ دلالت کرتی ہے، اس کے ساتھ یہ ہے کہ روح کی شان بدن کی شان کے علاوہ ہے کہ روح ملاء اعلیٰ میں آسمانوں سے اوپر ہوتی ہے جب کہ اس کا بدن سے بھی ایسا تعلق ہوتا ہے جو روح کے رفیق اعلیٰ اپنے مستقر میں رہتے ہوئے سلام

کرنے والے کے سلام کے جواب کا مقتضی ہوتا ہے نبی کریم ﷺ معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے کہ قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے جب کہ ان کو چھٹے آسمان پر بھی دیکھا ان کی قبر میں نماز اس طرح نہ تھی کہ روح اپنے مستقر سے الگ ہو گئی ہو اور قبر میں حلول کر گئی (داخل ہو گئی) ہو بلکہ اپنے مستقر میں تھی مگر اس کا بدن سے بھی ایسا قوی تعلق تھا جس نے اس کو نماز پر کھڑا کیا اور جب نیند والے کی روح اس کی جان کو قوت دی رہی ہوتی اور نیند میں جان میں کام کر رہی ہوتی ہے حتی کہ بدن کو متحرک کرتی اور کھڑا کرتی اور اس میں اثر ڈالتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی روحوں سے تعلق تیرا کیا گمان ہے؟ اور صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہو کر جنت سے کھاتی پیتی اور عرش سے لٹکی قندیلوں میں ٹھہرتی ہیں اور قیامت کے دن ان کے جسموں کی طرف روحوں کو بھیجنے تک یہی حال ہوگا لیکن اس کے باوجود جب مسلمان ان کی زیارت کرے اور سلام کرے وہ اس کو پہچان لیتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور یہی حال عام مؤمن کی روح کا ہے۔

اوپر حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت بھی ہم لکھ آئے ہیں: ''فان ارواح الشهداء اذا كانت في اجواف طير خضر تسرح في رياض الجنة ثم تعود الى قناديل معلقة تحت العرش مع انه لم يقل احدان... او راحهم غير متعلقة باجسامهم لئلا يسمعوا اسلام من يسلم عليهم'' (مجمع الوسائل ج ۲ ص ۳۰۰) بے شک شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہو کر جنت کے باغات میں چرتی پھر عرش کے نیچے لٹکی قندیلوں کی طرف واپس ہوتی ہیں۔ اگر کوئی اس کا قائل نہیں کہ ان کی روحوں کا جسموں سے تعلق نہیں ہے تاکہ سلام کرنے والے کا سلام نہ سنیں۔

تو شہداء کی روحیں جنت میں سیر کرتی اور عرش سے لٹکی قندیلوں میں ٹھہرتی بھی ہیں اور جسموں سے تعلق ہو کر جسم عنصری کی زندگی بھی ہے تو حدیث نبوی اور آیت مبارکہ اور اہل حق کے عقیدہ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

تیسری آیت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيماً'' (النساء) اگر ایسا ہوتا کہ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے گناہ کی مغفرت مانگتے اور ان کے لئے رسول اللہ ﷺ بھی گناہ کی بخشش مانگتے تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا پاتے۔''

حضرات اکابرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آج بھی ہے کہ جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے پاس حاضری دینے اور اللہ سے مغفرت مانگنے اور حضور ﷺ سے دعاء مغفرت کی درخواست کرنے پر گناہ کی بخشش کا وعدہ ہوا، ایسے ہی روضہ مبارکہ پر حاضری اور توبہ کرنے اور حضور ﷺ سے دعا مغفرت کرانے پر بھی اللہ تعالیٰ بخشش فرمائیں گے اور یہ سب حضور ﷺ کی قبر اطہر میں حیات کی دلیل ہے کیوں کہ زندہ ہیں تب ہی درخواست سنیں گے، اور دعا فرمائیں گے، واضح ہوا کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور درخواست سنتے ہیں اور دعاء مغفرت فرماتے ہیں۔ چنانچہ:

۱...... حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''احتج القائلون بانها مندوبة بقوله تعالىٰ (ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول) الاية ووجه الاستدلال بها انه ﷺ حي في قبره بعد موته كما في حديث ''الانبياء احياء في قبورهم'' وقد صححه البيهقي والف في ذالک جزأقال الاستاذ ابو منصور البغدادي قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا ﷺ حي بعد وفاته انتهى۔ وقد صح عن ابي ايوب الانصاري رضی اللہ عنہ انه قال لمن انكر عليه وضع وجهه على القبر انما جئت رسول الله ﷺ ولم

آت اللبن او الحجر کما سیاتی فثبت ان حکم الآیۃ باق بعد وفاتہ ﷺ فینبغی لمن ظلم نفسہ ان یزور قبرہ ویستغفر اللہ عند اللہ فیستغفر لہ الرسول" (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۰۴) جو زیارت قبر نبوی ﷺ کو مستحب کہتے ہیں انہوں نے آیت ولو انھم اذ ظلموا انفسھم کو بھی دلیل بنایا ہے، طرز استدلال اس طرح ہے کہ حضور ﷺ وفات کے بعد قبر شریف میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ نے صحیح کہا اور حیات پر ایک جزء لکھا ہے، امام ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے متکلمین محققین قائل ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ وفات کے بعد قبر میں زندہ ہیں، اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ قول صحیح ثابت ہے کہ قبر نبوی ﷺ پر انہوں نے اپنا چہرہ رکھا تو کسی نے اس پر نکیر کی تو فرمایا میں نے حضور ﷺ (کی قبر پر حاضر ہو کر حضور ﷺ) کی خدمت میں حاضری دی ہوئی ہے اینٹ یا پتھر کے پاس حاضر نہیں ہوں، تو ثابت ہوا کہ آیت کا یہ حکم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ لہٰذا جس نے اپنے اوپر ظلم کرلیا ہو، (گناہ ہو گیا) اس کو مناسب ہے کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کرے اور آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اللہ سے استغفار کرے (اور آپ ﷺ سے درخواست کرے) تو آپ ﷺ اس کے لئے دعا مغفرت کریں گے۔"

۲...... حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "واستدلوا علی انہا مندوبۃ بقولہ تعالیٰ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول الآیۃ والنبی ﷺ حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم وقد صححہ البیھقی والف فی ذالک جزأ قال ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون ان نبیا ﷺ حی بعد وفاتہ الخ، واذا ثبت انہ ﷺ حی بعد وفاتہ فالمجیئ الیہ بعد وفاتہ کالمجئی الیہ قبلہ" (اوجز المسالک ج ۲ ص ۲۶۲ طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، الکنز المتواری ج ۶ ص ۵۱۱) زیارت قبر نبوی ﷺ کے قائلین آیت "ولو انھم اذ ظلموا انفسھم" سے بھی زیارت مستحب ہونے پر استدلال کرتے ہیں، اور حضور ﷺ قبر شریف میں وفات کے بعد زندہ ہیں جس کو امام بیہقی نے صحیح کہا ہے اور اس بارے میں جزء تحریر کیا ہے، ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں محققین متکلمین قائل ہیں کہ حضور ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں، اور جب ثابت ہوا کہ وفات کے بعد آپ ﷺ زندہ ہیں تو وفات کے بعد آپ ﷺ کے پاس آنے والا وفات سے پہلے آنے والے کی طرح ہے۔"

۳...... مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ ﷺ اس کے لئے دعاء مغفرت کر دیں، اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۵۹ طبع ادارۃ المعارف کراچی)

۴...... علامہ نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ثم یقول یا رسول اللہ! ان اللہ تعالی قال فیما انزل علیک ولو انھم اذ ظلموا انفسھم وقد ظلمت نفسی واتیت بجھلی وغفلتی امرا کبیرا وقد وفدت علیک زائرا وبک مستجیرا أو جئتك مستغفرا من ذنبي سائلا منك ان تشفع لي الی ربي وانت شفیع المذنبین الخ! (خلاصۃ الوفا ص ۵۹ طبع مکہ مکرمہ) زیارت کرنے والا جو قبر نبوی ﷺ پر حاضر ہو) کہے کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنی

کتاب میں فرمایا ہے: ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم'' اور میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور جہالت وغفلت سے بڑا گناہ کیا ہے اور آپ ﷺ کی خدمت میں زیارت کو آیا ہوں اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے پناہ چاہتا ہوں اور گناہ کی بخشش کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور درخواست ہے کہ میرے لئے اللہ کے ہاں شفاعت فرمائیں اور آپ ﷺ شفیع المذنبین ہیں۔

۵...... علامہ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: وتخصیص قوله تعالیٰ ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفر اللہ واستغفر لهم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما بما قبل الموت تخصیص بدون حجة عن هوی و ترك المطلق علی اطلاقه مما اتفق علیه اهل الحق و التقیید لا یکون الا بحجة و لا حجة هنا تقید الآیة بل فقهاء المذاهب حتی الحنابلة علی شمول الآیة ما بعد الموت و الانبیاء احیاء فی قبورهم (مقالات الکوثری ص ۲۹۲) یعنی آیت مبارکہ ولو انهم اذ ظلموا انفسهم کو وفات سے پہلے کے وقت کے ساتھ خاص کرنا بغیر دلیل اپنی خواہش سے خاص کرنا ہے جب کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھنے پر سب اہل حق متفق ہیں اور مقید کرنا دلیل کے بغیر نہیں ہوسکتا اور یہاں اس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ سب مذاہب کے فقہاء حتی کہ حنبلی حضرات بھی اسی موقف پر ہیں کہ آیت کا حکم وفات کے بعد بھی ہے اور (کیوں نہ ہو جب کہ) انبیاء علیہم السلام اپنی مبارک قبروں میں زندہ ہیں۔''

۶...... قاسم العلوم حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''(حیات النبی ﷺ پر آیات بھی دلیل ہیں) رہی آیتیں سوان میں سے یہ آیت ہے: ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم'' کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ ﷺ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ ﷺ کا وجود تربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ ﷺ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہوں۔'' (آب حیات ص ۴۰)

نیز امام ابوعبداللہ حنبلی رحمۃ اللہ نے کتاب المستوعب میں (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۹۷) اور امام مالک رحمۃ اللہ نے (جو بسند جید ان سے منقول ہے، وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۹۴، الشفاء ج ۲ ص ۴۰) اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے (نشر الطیب ص ۲۵۴) اور ابن کثیر رحمۃ اللہ نے (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰) اور امام نووی رحمۃ اللہ نے (الاذکار ص ۲۰۹) اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے (الشفاء ج ۲ ص ۴۱) اور علامہ احمد خفاجی مصری حنفی رحمۃ اللہ نے (نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸) اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ حنفی نے (شرح شفاء ج ۳ ص ۳۹۸) اور علامہ سندھی رحمۃ اللہ نے (لباب المناسک، تسکین الصدور ص ۳۷۴) اور مولانا عبدالقادر فاکہی رحمۃ اللہ نے (حسن التوسل برہامش خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۴) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ (ماثبت بالسنۃ ص ۶۴) وغیرہم نے اس آیت کا حکم آپ ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت بھی مانا ہے، اس آیت سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ کی قبر میں حیات حق اور قرآن مجید سے ثابت ہے، ذہن میں رہے کہ ہم نے اس سلسلہ میں نقل ہونے والے واقعات کو اپنا اصل مستدل نہیں بنایا ہے، اصل مستدل ان مفسرین وعلماء رحمۃ اللہ کا استدلال ہے ہاں اس مستدل کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے، جو نقل کئے جاتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اگر اس آیت سے اس انداز پر یہ بات ثابت کرتے ہو تو ''فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک'' کے مطابق جھگڑے اور مقدمات بھی خدمت نبوی میں پیش کرکے فیصلے کراؤ؟

جواب یہ ہے کہ یہ بات درست نہیں کیونکہ فیصلوں کے لئے آپ ﷺ کی شریعت واحکام آج موجود ہیں لیکن آپ ﷺ کی ذات کا قائم مقام کوئی نہیں ہے، اور نصوص اور علماء امت نے بتایا کہ آپ روضہ مبارکہ میں زندہ ہیں اور سنتے ہیں تو جب عرضی آپ کی خدمت میں پیش کی جاسکتی ہے تو گنہگار اس نسخہ خداوندی سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں؟ مزید تفاسیر اٹھالیں کہ مفسرین فرماتے ہیں کہ "فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ" کا مطلب قرآن مجید کی طرف رجوع اور "والرسول" کا مطلب آپ کے تشریف لے جانے کے بعد حدیث شریف کی طرف رجوع کرنا ہے، یہی مطلب آیت فلا وربک لا یؤمنون کا ہوگا۔

چوتھی آیت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون" (الحجرات) اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال برباد ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو" (بیان القرآن)

حضرات اکابرین فرماتے ہیں کہ یہ حکم جیسے آپ کی زندگی میں تھا ایسے ہی وفات کے بعد قبر اطہر پر حاضری کے وقت بھی یہی حکم ہے کہ کوئی زیادہ بلند آواز سے بات نہ کرے، اور نہ درود وسلام زیادہ بلند آواز سے پڑھے بلکہ درمیانہ آواز سے پڑھے چنانچہ:

۱...... علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "واستدل العلماء بالآیۃ علی المنع من رفع الصوت عند قبرہ الشریف وعند قراۃ حدیثہ علیہ الصلاۃ والسلام لان حرمتہ میتاً کحرمتہ حیا" (روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۳۷) حضرات علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آپ کی قبر شریف کے پاس بھی آواز اونچی کرنا ایسے ہی آپ کی حدیث پڑھتے وقت بھی آواز اونچی کرنا منع ہے (قبر شریف کے پاس) اس لئے منع ہے کہ وفات کے بعد بھی آپ کا احترام ویسا ہے جیسا آپ کی زندگی میں تھا۔"

۲...... حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (معارف القرآن ج ۸ ص ۱۰۱) فرماتے ہیں: "قاضی ابوبکر بن ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسے ہی واجب ہے جیسے حیات میں تھا اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام وکلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔"

۴...... علامہ نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فانہ کما قال فی الاحیاء عالم بحضورک وقیامک وزیارتک لہ قال فمثل صورتہ الکریمۃ فی خیالک موضوعا فی اللحد بازائک واحضر عظیم رتبتہ فی قلبک انتھی ثم سلم مقتصدا من غیر رفع صوت ولا اخفاء" (خلاصۃ الوفاء ص ۵۷) اے زائر! نبی کریم جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۳ طبع نولکشور) میں فرماتے ہیں تیرے حاضر ہونے، قیام اور زیارت کو جان رہے ہیں، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تو آپ کی صورت کریمہ کا خیال باندھ، کہ آپ قبر اطہر میں تیرے سامنے تشریف رکھتے ہیں، اور آپ کا عظیم رتبہ اپنے دل میں لا، پھر درمیانہ آواز سے سلام عرض کر، نہ بلند آواز سے ہو، اور نہ بالکل آہستہ آواز سے۔

۵...... فقہ حنفی کے مستند و معتبر (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۲) میں ہے: "ویقف کما یقف فی الصلوٰۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیۃ کانہ نائم فی لحدہ عالم بہ یسمع کلامہ کذا فی الاختیار شرح المختار" "روضہ مبارکہ پر اس طرح کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے، اور آپ کی نورانی صورت مبارکہ کا اس طرح خیال لائے گویا کہ آپ قبر مبارک میں آرام فرما ہیں اور مجھے جان رہے ہیں میری گفتگو سن رہے ہیں، جیسا کہ کتاب اختیار شرح مختار میں ہے۔"

۶...... امام محمد غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "واعلم انہ عالم بحضورک وقیامک وزیارتک وانہ یبلغہ سلامک وصلاتک" (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۴ طبع نولکشور) یقین کر کہ نبی کریم تیری حاضری اور کھڑے ہونے اور زیارت کرنے کو جان رہے ہیں اور (دور رہتے وقت) آپ تک تیرا صلاۃ و سلام پہنچ رہا ہے۔"

۷...... علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ونقل عن مالک رحمہ اللہ ان احترام النبی بعد وفاتہ ایضا کما کان فی حیاتہ" (الشفاء ج ۲ ص ۱۴ وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۹۷ بسند جید عن مالک، بسند صحیح نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸) وفی البیہقی عن انس وصححہ ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ آپ کا احترام وفات کے بعد بھی ویسا ہے جیسا آپ کی زندگی میں تھا (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۹۷) امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے اور صحیح قرار دی، اور ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں (اس کے بعد حیات النبی کی تفصیلی بحث کی ہے)

اس بارے میں مولانا عبدالقادر فاکہی مکی رحمہ اللہ کی ایک تفصیلی عبارت عبارات اکابر کے تحت آرہی ہے ان شاء اللہ! روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت اتنی تعظیم اور یہ تصورات اور آہستہ سے سلام عرض کرنا سب حیات النبی کی دلیل ہیں کیونکہ جو وجہ ان آداب کی آپ کی ظاہری زندگی کے وقت کی ہے وہی وجہ روضہ مبارکہ کی حاضری کے وقت کی ہے، اکابر نے فرمایا ہے کہ اس کی وجہ دنیا میں یہ تھی کہ بعض اوقات زور سے بولنا آپ کو ناگوار ہو کر آپ کی بے ادبی اور تکلیف کا باعث ہوتا حضرت تھانوی اور مولانا سعید احمد دہلوی اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ وغیرہم نے یہی وجہ لکھی ہے۔ (بیان القرآن، کشف الرحمن، معارف القرآن وغیرہ)

تو اللہ تعالیٰ نے ادب سکھلایا کہ آہستہ بولا کرو، ورنہ آپ کی ناگواری کی وجہ سے باعث اذیت ہوگا اور اس بے ادبی پر تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ اور تمہیں آپ کی تکلیف ہونے کا علم نہ ہوگا تو اعمال کے ضیاع کا بھی علم نہ ہوگا۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ بھی صاف فرماتے ہیں: "آں حضرت حیات ہیں اور ایسی (اونچی) آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذاء کا سبب ہے لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے۔" (تذکرۃ الخلیل ص ۳۹۹)

تو اس سے معلوم ہوا کہ اس ادب (آہستہ کے حکم) کی وجہ آپ کی اذیت ہے تو آج زیارت کے وقت بھی زور سے بولنا تب ہی باعث اذیت ہوگا کہ آپ سنیں اور اس کی وجہ سے تکلیف محسوس کریں اور یہ سب تب ہوگا کہ آپ زندہ ہوں اور آواز سنیں، اس لئے تو اس ادب کے ذکر میں حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے حیات النبی کو بیان فرمایا تو ان آیات سے آپ کی قبر اطہر میں حیات بھی ثابت ہوتی ہے اور سماع عند القبر بھی ثابت ہوتا ہے۔

باب دوم......حیات النبی ﷺ اور احادیث نبویہ

اس بارے میں بہت سی احادیث طیبہ وارد ہیں۔

پہلی حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور مطہرہ میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۸۶ رقم ۱۳۸۱۲ طبع دار الفکر بحوالہ مسند ابی یعلیٰ ج ۳ ص ۲۱۶ حدیث نمبر ۳۴۱۲ و مسند بزار حدیث نمبر ۶۸۸۸ ناشر موقع اہتاج الاسلام، وخلاصۃ الوفاء بحوالہ کامل ابن عدی وحیاۃ الانبیاء للبیہقی ص ۸،۹ طبع ادارۃ المعارف الاسلامیہ سیالکوٹ، ۱۳۹۶ھ ۱۹۶۶ء)

۱...... امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رواہ ابو یعلی والبزار ورجال ابی یعلی ثقات'' اس حدیث کو یعلی اور بزار نے روایت کیا ہے اور ابو یعلی کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۸۶)

۲، ۳...... علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رواہ ابو یعلی برجال ثقات قد صححه البیهقی'' (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۰۴) اس حدیث کا ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

۴...... علامہ سمہودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ''رواہ ابو یعلی برجال ثقات'' (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۷۹) ابو یعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثقہ راویوں کے طریق سے روایت کی ہے۔

۵...... علامہ سخاوی رحمہ اللہ بھی صحیح کہتے ہیں: (القول البدیع ص ۱۷۲)

۶...... علامہ ابن حجر رحمہ اللہ بھی صحیح کہتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۸ طبع دار الفکر)

۷...... شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابو یعلیٰ بنقل ثقات از روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آوردہ۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷۵) امام ابو یعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثقہ راویوں کے واسطہ سے روایت کی ہے۔

۸...... حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ صحیح قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''وقد صححه البیهقی'' اس کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی صحیح کہا ہے۔ (اوجز المسالک ج ۲ ص ۲۶۲، فضائل درود شریف ص ۴۲)

۹...... حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (مرقات ج ۳ ص ۴۱۵ حاشیہ مشکوۃ ص ۱۲۱) یعنی یہ حدیث صحیح ہے۔

۱۰...... علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بھی امام بیہقی رحمہ اللہ اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ سے اس حدیث کی صحت نقل کرتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴) بلکہ صراحۃً فرماتے ہیں: ''وازیں طرف ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' ثابت شدہ'' (خاتم النبیین ص ۴۷ طبع مجلس تحفظ ختم نبوت)

ادھر یہ حدیث کہ ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔'' ثابت ہے۔

۱۱...... علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وصح انه قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۶۳) یعنی یہ حدیث صحیح ہے، اور (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۸۵ حدیث نمبر ۳۰۸۹ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت طبع ۲۰۰۸ء) میں امام ابو یعلیٰ سے نقل فرما کر حسن کہتے ہیں۔

۱۲...... علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وھو حدیث صحیح'' ''یہ صحیح ہے۔'' (فیض القدیر شرح الجامع

الصغیر ج ۳ ص ۲۲۳ طبع مکتبہ مصر القاہرہ) جس بات کا صحیح ثابت ہونا بارہ آدمی بیان کریں اس کو جھوٹ وہی کہہ سکتا ہے جو جھوٹ کے مرض میں خود مبتلا ہے، اس کے باوجود کئی لوگ اس روایت پر کئی خدشات ظاہر کرتے ہیں۔

پہلا شبہ: ڈاکٹر عثمانی لکھتا ہے کہ "ابو یعلی کی روایت میں تو مستلم بن سعید اور حجاج بن الاسود دونوں ضعیف ہیں"۔ مستلم بن سعید کے متعلق ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ربما وھم یعنی کبھی کبھی وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (تقریب) شعبہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس کو دو حدیثیں بھی یاد ہیں۔ (تہذیب التہذیب) اور حجاج بن اسود ثابت بنانی سے منکر روایت نقل کرتے ہیں یہ لکھ کر ابن حجر اور ذہبی رحمہ اللہ نے یہی روایت ثبوت کے طور پر لکھی ہے۔

(لسان المیزان، میزان الاعتدال، یہ قبریں اور آستانیں ص ۱۳)

مولوی امیر عبداللہ صاحب لکھتے ہیں: "اس کا راوی ازرق بن علی وہ شخص ہے جس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سورہ فلق اور سورہ ناس کو قرآن نہیں سمجھتے تھے، اور مستلم بن سعید کے متعلق ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صدوق ربما وھم" یہ سچا تو ہے لیکن بہت وہمی ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں یہ شخص بہت زیادہ حق کی مخالفت کرتا ہے۔" (اعلان حق ص ۵۱)

جواب: ہم ترتیب وار ان راویوں کی حیثیت واضح کرتے ہیں:

۱...... مستلم بن سعید کے متعلق علامہ سخاوی رحمہ اللہ ضعف کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وثقہ احمد وابن حبان" "امام احمد اور ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے۔" (القول البدیع ص ۱۷۲) اور یہی بات علامہ ابن حجر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۸) ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہمنوا جناب مولوی امیر عبداللہ صاحب نے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے لفظ "صدوق ربما وھم" کو جرح سمجھ کر جہالت کا اظہار کیا ہے کم از کم انہیں جرح وتعدیل کے لفظ یاد کرنا چاہئیں۔ یہ لفظ جرح میں نہیں تعدیل میں استعمال ہوتے ہیں، جرح کے الفاظ میں ان کا ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ درجات تعدیل لکھتے ہوئے پانچویں درجہ کے الفاظ میں "صدوق ھم صدوق لہ اوھام، صدوق یخطئی" لکھتے ہیں، اس سے اوپر الفاظ تعدیل کا چھٹا درجہ بھی ذکر کرتے ہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث مع اعلاء السنن ص ۸۹۷۵، ۸۹۷۶) علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے مولانا ظفر احمد رحمہ اللہ کے ذکر کئے ہوئے چھٹے درجہ کو تعدیل کا آخری اور ادنیٰ درجہ قرار دیا ہے۔ (نزہۃ النظر ص ۱۳۴)

معلوم ہوا کہ "صدوق ربما وھم" کا مصداق راوی ادنیٰ درجہ کے ثقہ راوی سے بھی ایک درجہ اوپر کا ثقہ راوی ہے، ڈاکٹر صاحب نے تو "ربما" کا ترجمہ "کبھی کبھی" سے کیا، اور امیر عبداللہ صاحب نے اس لفظ کی پوزیشن بڑھانے کے لئے بہت وہمی سے ترجمہ کر دیا، حالانکہ شرح جامی میں ہے کہ لفظ رب تقلیل کے لئے آتا ہے اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ ما کافہ بھی تقلیل کے لئے آتی ہے۔ (روح المعانی ج ۱۴) تو اس کا مفہوم یہی ہے کہ کبھی کبھی وہم میں مبتلا ہوتا ہے نہ کہ بہت وہمی ہے، اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قال ابن المبارک من ذا سلم من الوھم وقال ابن معین لست اعجب ممن یحدث فیخطی انما اعجب ممن یحدث فیصیب قلت وھذا ایضاً مما ینبغی ان یتوقف فیہ فاذا جرح الرجل بکونہ اخطا فی حدیث او وھم او تفرد لایکون ذالک جرحا مستقرا او لا یرد بہ حدیثہ" (لسان المیزان ج ۱ ص ۱۷، ۱۸) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، وہم سے کون سلامت رہا ہے، امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو حدیث بیان کرتے ہوئے غلطی

کر لے مجھے اس پر تعجب نہیں مجھے تو اس پر تعجب ہوتا ہے جو حدیث بیان کرے اور ٹھیک بیان کرے، میں کہتا ہوں اس بارے میں بھی واقفیت ہونی چاہئے، تو جب کسی پر جرح ہو کہ اس نے حدیث میں خطا کی یا وہم میں مبتلا ہوا یا متفرد ہے تو یہ مضبوط جرح نہیں ہے، اور نہ ایسے کی حدیث رد ہو گی۔" لہٰذا علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ لے کر جرح کرتے ہوئے مکڑی کے جالے پر بھروسہ کرنے کا مصداق نہ بنیں کہ یہ جرح نہیں ہے کیونکہ خود علامہ ابن حجر امام احمد وابن حبان رحمۃ اللہ علیہ سے ثقہ ہونا نقل کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۸)

ڈاکٹر عثمانی نے شعبہ کا جو قول نقل کیا کہ مجھے خیال بھی نہ تھا کہ اس کو دو حدیثیں بھی یاد ہیں، اس کی اصل صورت حال یہ ہے کہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ ہمیں حجاج اعور نے بیان کیا کہ شعبہ سے کہا گیا کہ مستلم بن سعید نے لفظ حدیث میں آپ کی مخالفت کی ہے (آپ کے بیان کئے ہوئے الفاظ کے خلاف الفاظ بیان کئے) تو شعبہ نے کہا کہ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ اس کو دو حدیثیں بھی یاد ہیں، یہ ذکر کر کے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں صحیح مستلم کا قول ہی ہے اور شعبہ نے غلطی کی (اپنی غلطی ماننے کے بجائے مستلم کے سر پر غلطی ڈال دی) (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۰)

مستلم کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں ذکر کیا اور فرمایا کہ کبھی دوسرے راویوں کے خلاف روایت کرتا ہے، اسی کو مولوی صاحب نے یوں بنادیا کہ بہت زیادہ حق کی مخالفت کرتا ہے (اور دوسرے راویوں کے خلاف روایت کرنے سے ضعف نہیں آتا)

۲...... حجاج بن اسود بن زیاد بصری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وفد وثقه احمد وابن معين" اس کو امام احمد اور ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ کہا ہے۔ (القول البدیع ص ۱۷۲) علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ ثقہ اور صالح آدمی ہے اور ابو حاتم فرماتے ہیں صالح الحدیث ہے امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (لسان المیزان ج ۲ ص ۱۷۵) باقی امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان میں جو فرمایا کہ مجہول ہے، اور اس منکر روایت کو اس نے روایت کیا ہے، تو اولاً علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ذہبی کی یہ بات نقل کر کے لسان میں اس کو ثقہ ثابت کیا جیسا کہ ابھی حوالہ ذکر ہوا، ثانیاً خود امام ذہبی تلخیص المستدرک (مع المستدرک ج ۵ ص ۲۵۰) میں حجاج بن اسود کے بارے میں فرماتے ہیں "حجاج ثقة" کہ حجاج ثقہ ہے، ممکن ہے کہ میزان میں اس سے ذہول ہو گیا ہو، منکر کا لفظ اس حدیث پر بھی بولا جاتا ہے جس کو کوئی ایک ثقہ راوی روایت کرے، اس لئے لفظ منکر سے حدیث کو ضعیف ثابت نہیں کیا جا سکتا، (جب تک راوی ضعیف نہ ہو) جب کہ اتنے محدثین اس کو صحیح کہہ رہے ہیں اس لئے تو خود لسان المیزان والے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۸) میں اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔

۳...... ازرق بن علی ابوالجہم کے متعلق علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق یغرب" سچا راوی ہے غریب حدیث لاتا ہے (تقریب ج ۱ ص ۴۷) اور صدوق یغرب" جرح کے لفظ نہیں ہیں تعدیل کے لفظ ہیں، اس لئے اس سے اس راوی کی روایت ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا، رہی یہ بات کہ ازرق بن علی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر سورہ فلق اور سورہ ناس کے قرآن مین سے نہ ہونے کا الزام لگایا ہے تو جواب یہ ہے کہ ازرق پر الزام لگانے کا الزام لگانا تب صحیح ہے جب ازرق اکیلا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بات نقل کرنے والا ہو جب کہ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۷۱) ملاحظہ کرلیں یہ بات روایت کرنے والے اور بھی بہت ہیں اس روایت کی ایسی سندیں بھی ہیں جن میں ازرق کا نام ونشان نہیں ہے (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے معوذتین کے انکار کے علماء نے کئی جواب دیئے ہیں ایک یہ

کہ انہوں نے ان سورتوں کو دم سمجھا تھا قرآن مجید کا حصہ نہ سمجھتے تھے کیونکہ آپ کو ان کے ذریعہ دم کرتے دیکھا مگر بعد میں تحقیق ہونے پر اس سے رجوع کر لیا تھا) لہٰذا یہ جرح غیر معتبر ہے۔

دوسرا شبہ: اس حدیث پر یہ کیا جاتا ہے یہ حدیث آیت قرآنی کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں "واعبد ربک حتی یأتیک الیقین" اے میرے پیغمبر! اپنے رب کی عبادت کر موت آنے تک" اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو عبادت کا حکم موت تک ہے اس کے بعد کے لئے حکم نہیں اور نماز عبادت ہے لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے اور جو روایت قرآن مجید کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی؟

جواب: اس آیت اور حدیث میں قطعاً تعارض اور مخالفت نہیں، اولاً اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے آیت کا مفہوم مخالف لے کر آیت کو حدیث کے خلاف کہہ دیا حالانکہ جو حضرات مفہوم مخالف کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی مفہوم مخالف اتنا حجت نہیں ہے کہ اس میں اتنی طاقت ہو کہ حدیث صحیح کو مفہوم مخالف کے خلاف دیکھ کر رد کر دیا جائے اور مفہوم مخالف کا نام قرآن کی نص قطعی رکھ دیا جائے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مفہوم مخالف سے متعلق فرماتے ہیں: "شرط الحجة به ان لایعارضه المنطوق (توجیه القاری الی القواعد والفوائد الاصولیة والحدیثیة والاسنادیة فی فتح الباری مع الفتح ج۱ ص ۲۸) مفہوم مخالف کے حجت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ منطوق نص اس سے معارض نہ ہو۔"

جب کہ ہاں منطوق نص یہی حدیث اور کئی دوسری احادیث صحیحہ جن میں مسلم شریف کی حدیث ہے کہ موسیٰ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھ رہے تھے یہ نصوص اس مفہوم مخالف کے خلاف ہیں تو یہ کیسے حجت ہے؟

تو یہ آیت کا مفہوم مخالف ہے کہ چونکہ موت تک عبادت کا حکم ہے، لہٰذا موت کے بعد عبادت کی نفی ہے حالانکہ یہاں مفہوم مخالف حجت نہیں ہے۔

ثانیاً: یہ لوگ ذکر اللہ کو بھی یقیناً عبادت سمجھتے ہوں گے، بلکہ ذکر اللہ ہر عبادت کا مغز ہے تو اگر آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد عبادت نہیں ہے تو موت کے بعد کا زمانہ وہ بھی تو ہے جب یہ موت کا شکار ہو جانے والے قیامت میں اٹھنے کے بعد جنت میں جانے والے ہوں گے، تو جنت میں بھی جا کر ذکر کریں گے تو اگر عبادت موت کے بعد منع ہے تو جنت میں بھی ذکر نہ ہونا چاہئے کیونکہ عبادت کا حکم موت تک ہے۔ حالانکہ قرآن وسنت کی نصوص صریحہ دلالت کرتی ہیں کہ جنت میں ذکر وتسبیح وتحمید وغیرہ ہوگی تو وہ بھی اس آیت کے خلاف ہے تو جو جواب وہاں ہوگا وہی یہاں ہوگا۔

ثالثاً: اس آیت میں امر ہے "اعبد" موت تک عبادت کا امر وجوبی ہے، اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد امر وجوبی ختم ہو جائے گا یعنی نبی کریم ﷺ یا دوسرے موت کے بعد عبادت وغیرہ احکام کے مکلف نہیں رہتے لیکن عبادت کر بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ انہیں عبادت کرنے کی اجازت ہوتی ہے یا ممانعت ہو جاتی ہے؟ اس آیت میں اثبات ونفی کسی پہلو سے اس کی بحث نہیں، اور احادیث طیبہ سے معلوم ہوا کہ خاص بندوں کو اجازت ہوتی ہے۔

یوسف بن عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص) حضرت ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد) حمید طویل سے پوچھا: "هل بلغک یا ابا عبید ان احدا یصلی فی قبره الا الانبیاء؟ قال لا، قال اللهم ان اذنت لاحد ان یصلی فی قبره فاذن لثابت ان یصلی فی قبره" (حلیۃ الاولیاء ج۲ ص ۳۶۲، شرح الصدور ص ۱۶۴) اے ابو عبید! کیا آپ تک کوئی ایسی روایت پہنچی ہے کہ انبیاء علیہم السلام

کے سوا کسی کو قبر میں نماز کی اجازت ملی ہو؟ فرمایا نہیں پہنچی، تو ثابت بنانی رحمہ اللہ نے دعا فرمائی اے اللہ! اگر آپ نے کسی کو قبر میں نماز کی اجازت دی ہو تو ثابت کو بھی قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرمانا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو قبر میں نماز کی اجازت عطا ہونا مشہور و معروف تھا، اور حضرت ثابت بنانی اور ابو حمید تابعی رحمہ اللہ اس کا عقیدہ رکھتے تھے، اور کیوں نہ یہ عقیدہ رکھتے جب کہ ان کے استاذ الحدیث "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی یہ روایت نقل کرنے کے ساتھ خود اپنا عقیدہ بھی یہ بیان کرتے تھے: "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" (جزء حیات الانبیاء للبیہقی ص۹) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔"

البتہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کو نماز کی اجازت ملنا معلوم نہ تھا، اس لئے ثابت بنانی نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، شبان بن جسر کے والد جسر اور ربیع بن صبیح فرماتے ہیں کہ ہم نے جب ثابت بنانی پر اینٹیں برابر کرلیں تو ایک اینٹ گر گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، میں نے ساتھ والے ساتھی سے کہا کیا تو دیکھ رہا ہے؟ اس نے کہا خاموش، فارغ ہو کر ہم نے ان کی بیٹی سے حال معلوم کیا تو بیٹی نے بتایا کہ پچاس سال تک رات کا قیام کرتے رہے جب سحر کا وقت ہوتا تو دعاء میں کہا کرتے اے اللہ! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی عطا فرمانا، تو اللہ تعالیٰ ایسے نہ تھے کہ ان کی دعا رد فرما دیتے۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۳۳ طبع مکتبہ عصریہ بیروت، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۶۲، احوال القبور ص ۷۰، کتاب القبور لابن ابی الدنیا رقم ۱۳۲)

تو جب امتی کو نماز سے اتنا شوق ہے تو نبی کو کتنا شوق ہوگا جب کہ آپ فرماتے ہیں: "جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ" (الجامع الصغیر حدیث نمبر ۳۶۶۹، مسند البزار ۶۸۶۹ عن انس حدیث انس) "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔"

اور جب امتی کو قبر میں نماز کی اجازت ہے اگرچہ اس پر ثواب نہیں ملتا تو نبی کریم اور انبیاء علیہم السلام کو کیوں اجازت نہیں جب کہ احادیث صحیحہ اجازت ثابت کر رہی ہیں؟

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ ایک جگہ تفصیلی بحث میں فرماتے ہیں: "ان الانبیاء افضل من الشھداء والشھداء احیاء عن ربھم فکذالک الانبیاء فلا یبعد ان یصلوا ویحجوا ویتقربوا الی اللہ بما استطاعوا مادامت الدنیا" (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۸) "بے شک انبیاء علیہم السلام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء زندہ اور اپنے رب کے مقرب ہیں تو انبیاء علیہم السلام بھی ایسے ہی زندہ ہیں، تو یہ کوئی بعید بات نہیں کہ نماز پڑھیں اور حج کریں اور دنیا باقی رہنے تک جو کرسکیں اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔"

تو عبادت کی اجازت کی احادیث قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہیں۔ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم رحمہم اللہ محدثین فرماتے ہیں: "والذی انقطع فیھا وجوب العمل لا نفس العمل لذۃ" مرفوع دراں جہاں وجوب است نہ وجود آں (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۶۲، التعلیق الصبیح ج ۷ ص ۱۴۶ وغیرہ) اس جہاں میں جانے سے عمل کا وجوب ختم ہو گیا ہے خود عمل بطور لذت کرنا ختم نہیں ہوا۔

تیسرا شبہ: ایک شبہ مولانا امیر عبداللہ صاحب کو پیش آیا وہ یہ ہے کہ کہتے ہیں: "اس حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء نماز پڑھتے ہیں کیا نماز میں وقفہ کرتے ہیں یا نہیں؟ دلیل سے جواب دینا، نماز پڑھنے کی حالت میں سلام کا

جواب بھی دیتے ہیں؟ رزق بھی ملتا ہے تمام لذتوں سے متمتع ہوتے ہیں ان تمام چیزوں کے اوقات مقرر ہیں یا بیک وقت سب کام کرتے ہیں؟" (اعلان حق ص ۵۱)

<u>جواب:</u> اس شبہ پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ عقل کے ہیضہ کی پیداوار ہے، مولوی صاحب فرمائیں کہ یہ ساری تقریر قرآن کی کونسی آیت کا ترجمہ ہے؟ جناب والا! حضور دنیا میں جہاد، وفود سے ملنا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم، ذکر اللہ، نماز، بیان، ازواج مطہرات کے حقوق وغیرہ وغیرہ سارے کام کیسے کرتے تھے؟ جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "کان یذکر اللہ علی کل احیانہ" (الجامع الصغیر حدیث نمبر ۷۰۲۶) یعنی آپ کے سارے اوقات ذکر اللہ میں صرف ہوتے تھے تو کیا حدیث کا یہ مطلب لیں گے کہ نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے بات کرتے، نہ ازواج کے حقوق ادا کرتے، اور نہ وفود سے بات کرتے، نہ کسی کے سوال کا جواب دیتے تھے، بس ہر وقت زبان پر ذکر ہوتا تھا؟

جناب کا شبہ ویسا ہے جیسے غیر مقلدین کہتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جو چالیس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے تو بیوی کے پاس کون سے وقت جاتے تھے یا کیا ان پر سے بیوی کے حقوق معاف ہو گئے تھے؟ ایک حدیث کے مطابق جنت میں عمر دنیا کے بقدر آدمی بیوی سے ہم بستر ہوگا اور حور کے صرف دیدار میں چالیس سال لگیں گے (الترغیب والترہیب رقم الحدیث ۵۷۰۲، ۵۷۷۱) تو وہاں بھی یہ شبہ پڑے گا کہ باقی کام کب کرے گا، اللہ تعالیٰ کا دیدار، کھانے پینے کا وقت کیسے نکالے گا، جنت کی دیکھ بھال، خادموں سے خدمت لینے کا وقت، دوستوں کو ملنے، اور انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی زیارت کب کرے گا؟

ایمان کا تقاضہ تو یہ ہے کہ فرمان نبوی سن کر اس پر ایمان لایا جائے چاہے جتنے عقلی شبہات پیش آئیں، پتھر پڑیں ایسی عقل اور اس کی سمجھ پر جو سمجھ نہ آنے پر تردد میں رہے، کیا نصوص کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہے ان شبہوں کی؟ کیا یہ شبہات خبر واحد ضعیف جتنا وزن بھی رکھتے ہیں؟ جب کہ جناب بھی کہتے ہیں کہ عقیدہ کے باب میں خبر واحد صحیح سے بھی کام نہیں چلتا تو ان شبہات کا کتنا وزن ہے؟ گزارش ہے کہ ایسی عقلی باتیں کر کے نصوص کو جھٹلانے کی تعلیم لوگوں کو نہ دیجئے۔ بس حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی سلام پڑھے میں سنوں گا اور میری روح کی توجہ اللہ اس کی طرف کر دیں گے، تو آپ نماز بھی پڑھتے ہیں اور یہ سب کچھ بھی ہوتا ہے، اس سب پر ہمارا ایمان ہے کسی وقت کے ساتھ آپ نے خاص نہیں کیا، ہم بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں خاص وقت جواب دیتے ہیں جیسے آپ نے کسی وقت سے خاص نہیں کیا، مجھے اور جناب کو خاص کرنے کا حق کہاں سے ہے؟

<u>چوتھا شبہ:</u> مولوی امیر عبداللہ صاحب لکھتے ہیں: "اس حدیث کو صحاح ستہ میں نقل نہیں کیا گیا صرف چوتھی صدی کے ابو یعلیٰ نے نقل کیا گیا ہے، جس کی کتاب طبقہ ثالثہ سے ہے، اس طبقہ کی احادیث کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے عقیدہ میں عمل میں۔" (عجالہ نافعہ، حجۃ اللہ البالغہ، راہ سنت ص ۱۶۵)

<u>جواب:</u> کہ یہ اس حدیث کی بات ہے جو صرف اسی طبقہ میں ہو اور اس کی تائید قرآن مجید یا صحاح ستہ کی احادیث سے نہ ہوتی ہو جب کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے، اور صحاح ستہ میں سے مسلم شریف کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور ابن ماجہ کی صریح حدیث تائید کرتی ہے "فنبی اللہ حی یرزق" "اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق دیا جاتا ہے، اور صحاح ستہ کی وہ احادیث بھی تائید کرتی ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے ان شاء اللہ!

پھر طبقہ ثالثہ کی احادیث محض طبقہ ثالثہ میں ہونے سے رد کرنے کے قابل نہیں ہوتیں، بلکہ مولانا ابومحمد عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ان طبقہ (طبقہ ثالثہ والوں) کی احادیث بعض صحیح بعض حسن بعض ضعیف بعض موضوع بنائی ہوئی ہیں۔'' (عقائد اسلام ص ۱۰۳)

معلوم ہوا کہ طبقہ ثالثہ کی سب حدیثیں ضعیف اور من گھڑت نہیں ہوتیں، اس لئے یہ محض وہم اور طبقہ ثالثہ کی کتب احادیث سے الرجی ہے، محققین طبقہ ثالثہ ہو یا رابعہ ان کی جن احادیث کو صحیح کہیں ان سے بلاوجہ خار کھانے کی ضرورت نہیں ہے اور اس حدیث کو بکثرت محققین نے صحیح کہا ہے۔

دوسری حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم نے ارشاد فرمایا: ''مررت بموسی لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ'' (مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، سنن نسائی ج ۳ ص ۲۱۵ رقم ۱۶۱۹ تا ۱۶۲۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰، ۱۴۸ کتاب الزہد۔ امام احمد ص ۱۱۰، صحیح ابن حبان، الاحسان رقم الحدیث ۴۹، ۵۰۔ مصنف عبدالرزاق ۶۷۲۷، مسند البزار حدیث نمبر ۶۹۹۰) میں معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے (بیت المقدس کے پاس) سرخ ٹیلے کے نزدیک گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔''

یہی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ''عن بعض اصحاب النبی'' بھی روایت کرتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۹) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۴۰۳، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۷، بحوالہ طبرانی و بزار، وفی سندھا ضعف) اور امام محمد بن اسحٰق بسند صحیح حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ (السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق ص ۳۱۱، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

ظاہر ہے کہ بیت المقدس بھی زمین پر ہے اور اس کے پاس سرخ ٹیلہ بھی زمین پر ہے اور زمین والی قبر میں جسم عنصری ہوتا ہے اور حضور ﷺ کو بھی قبر میں مدفون جسم عنصری کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام نماز میں مصروف نظر آئے ہیں تو یہ دلیل ہے کہ نبی قبر میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

ایک شبہ: اس حدیث کے اعتبار سے منکرین کچھ اعتراض نہ کر سکے لیکن آخر صحیح حدیث سے کسی طرح جان چھڑانے کی کوشش کی، ڈاکٹر عثمانی اور مولوی امیر عبداللہ وغیرہ کہنے لگے کہ معراج کی رات آپ ﷺ نے ان کو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بیت المقدس میں بھی دیکھا آسمانوں پر بھی دیکھا قبر میں بھی دیکھا لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ ارواح کی مثالی اشکال آپ کو دکھائی گئیں خود نبی کریم نے فرمایا ''مثل لی النبیون فصلیت بھم'' (بیضاوی) ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام کو مثالی شکل میں دیکھا۔ (اعلان حق ص ۵۲ وغیرہ)

جواب: اس شبہ کی کچھ بھی حقیقت نہیں اوّلاً اس لئے کہ معراج کی رات آپ نے بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی ہے۔ احادیث صحیحہ میں لفظ انبیاء اور نبیون آیا ہے اور اس لفظ کا اطلاق عام طور پر جسم مثالی پر نہیں ہوتا اس لئے جسم مثالی مراد نہیں، چونکہ معراج کا سارا واقعہ خرق عادت ہے اس لئے یہ سب ممکن ہے اور یہی ماننا راجح ہے کہ خلاف عادت حضرات انبیاء علیہم السلام کو اجسام عنصریہ سمیت قبروں سے نکال کر بیت المقدس لایا گیا اور آپ نے امام الانبیاء بن کر ان کی امامت کرائی کیونکہ ان میں یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ (کیونکہ حدیث میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ [illegible] صلی حلفک کل نبی بعثہ اللہ'' آپ کے پیچھے تمام مبعوث نبیوں نے نماز پڑھی ہے ''فاذا النبیون اجمعون یصلون معہ'' (تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳)

اور عیسیٰ علیہ السلام جس جسم کے ساتھ آسمان پر تھے اسی جسم کے ساتھ خلاف عادت زمین پر اترے، تو ان کی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی حقیقۃً لائے گئے ہیں اور پھر جس اللہ کے حکم سے آئے اسی اللہ کے حکم سے اپنے اپنے مقام پر چلے گئے۔

(۱) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روح و جسم دونوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے حاضر ہونے کو ترجیح دی ہے۔ (مرقات ج ۱۰ ص ۵۷۰، ۵۷۱ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ: ''ظاہر یہی ہے کہ انبیاء کرام کی یہ ملاقات روح اور جسم دونوں کے ساتھ تھی جیسا کہ

(۳) شیخ نور الحق دہلوی نے (تیسیر القاری شرح بخاری ج ۳ ص ۳۱۲) میں لکھا ہے: ''ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرات انبیاء ان ہی ابدان دنیویہ کے ساتھ جو ان کی قبروں میں محفوظ اور صحیح سالم ہیں آپ کی ملاقات کے لئے جمع ہوئے ہوں قدرت قدیمہ کے لحاظ سے بقاء روحانی و جسمانی اور زمینی اور آسمانی اور ہر قسم کا نقل مکانی سب برابر ہیں محض استبعاد عقلی سے سے احادیث نبویہ کو رد کرنا بے عقلی اور بے دینی کی دلیل ہے۔'' (سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۵۳، ۳۵۴)

(۴) مولانا محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ (انبیاء کرام علیہم السلام کی) روح مع الجسد سے ملاقات و گفتگو ہوئی، روح مع الجسد سب نے اقتداء کیا۔ (فتاوی محمودیہ ج ۱ ص ۵۳۵)

مولوی صاحب نے تفسیر بیضاوی سے جو روایت لکھی ہے کہ میرے لئے انبیاء علیہم السلام مثالی جسموں میں لائے گئے اور میں نے ان کی امامت کرائی، مولوی صاحب نے تو اس کے لئے صرف بیضاوی کا حوالہ دیا ہے، جب کہ تفسیر (جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۹۴) میں بیضاوی و مظہری سے بحوالہ مسند ابویعلیٰ وطبرانی کبیر ذکر کی گئی ہے، جب مولوی صاحب مسند ابویعلیٰ کی صحیح سند والی روایت عقیدے کے باب میں حجت نہیں مانتے تو ان کی مسند ابویعلیٰ وطبرانی کی روایت کیسے حجت ہے جب کہ ان کا اپنا اصول ہے کہ مسند ابویعلیٰ طبقہ ثالثہ میں سے ہے جس کی حدیث قابل قبول نہیں ہوتی تو یہاں کیوں قبول ہے؟ پھر سند کیا ہے؟ معلوم نہیں، نیز بیضاوی کا طبقہ کون سا ہے؟

<u>دوسرا شبہ:</u> دوسرا شبہ مماتیوں کو یہ پیش آیا کہ کہتے ہیں کہ معراج کا سارا واقعہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے اس لئے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں دیکھنا بھی معجزہ ہے۔

<u>جواب:</u> یہ شبہ بھی بے حیثیت ہے کیونکہ قبر کے اوپر سے قبر کے اندر تک نگاہ پہنچنا اور دیکھ لینا تو معجزہ ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا معجزہ نہیں ہے۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے اندر جسم عنصری کی حیات کی دلیل ہے۔

<u>تیسری حدیث:</u> حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دنوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ تو اس میں مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو، ''فان صلوتکم معروضۃ علی'' کیونکہ تمہارا درود شریف مجھ پر پیش ہوتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر ہمارا درود اس وقت کیسے پیش ہوگا جب آپ (وفات کے بعد) بوسیدہ ہو جائیں گے؟ فرمایا: ''ان اللہ عزوجل حرم علی الارض ان تاکل احساد الانبیاء'' (ابن ماجہ ص ۱۱۸، مسند احمد ج ۴، ۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰، سنن نسائی حدیث نمبر ۱۳۶۲، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۸، شعب الایمان ج ۳ ص ۱۱۰، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت، السنن الصغیر ج ۱ ص ۱۸۶ حدیث نمبر ۶۰۷، سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴۵، مستدرک ج ۵ ص ۴۵۷، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۸۳۸، ۸۳۹، رقم الحدیث ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، طبع المکتب الاسلامی

بیروت۔صحیح ابن حبان، الاحسان رقم الحدیث ۹۱۰ طبع دارالمعرفہ بیروت، المعجم الکبیر حدیث نمبر ۵۸۹ باب الالف)

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کھانا حرام کر دیا ہے (تو بوسیدہ نہ ہوں گا جسم محفوظ ہوگا اور درود شریف پیش ہوگا)

(۱،۲) علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: ''اخرجه ابو داؤد وابن ماجة وابن حبان في صحيحه والحاكم وصححه'' (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۸۰)

اس کو ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے (مستدرک ج ۱ ص ۳۸۷، ج ۵ ص ۴۵۷) میں ''صحيح على شرط الشيخين'' کہا ہے۔(۳) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام حاکم اس کو صحیح علی شرط البخاری کہتے ہیں اور (۴) امام نووی بھی اسانید صحیحہ کے ساتھ مروی کہتے ہیں۔(ریاض الصالحین ص ۵۲۹، الاذکار ص ۱۲۸) (۵) حافظ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ بھی حسن کہتے ہیں۔(۶) امام منذری رحمۃ اللہ علیہ بھی صحیح کہتے ہیں۔ (الترغیب رقم ۱۰۴۵) اور (۷) ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحیح محفوظ ہے عادل راویوں سے روایت کی ہے۔(القول البدیع ص ۱۶۳) (۸) علامہ محمد بن علی نیموی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔(آثار السنن ص ۲۹۵) (۹) علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو اس سند میں غور کرے گا وہ اس کے صحیح ہونے میں شک نہیں کرے گا کیونکہ اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں جن کی روایات ائمہ نے قبول کی ہیں۔ (جلاء الافہام ص ۳۳) (۱۰) علامہ محمد مہدی فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اسانید صحیحہ سے مروی ہے اور (۱۱) فرماتے ہیں کہ امام ابن خزیمہ اور (۱۲) ابن حبان اور (۱۳) امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ بھی صحیح کہتے ہیں۔ (مطالع المسرات ص ۳۲، ۳۳) (۱۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷۶) (۱۵) امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔(تلخیص المستدرک مع المستدرک ج ۵ ص ۴۵۷) (۱۶) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ حسن کہتے ہیں۔(الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۴۹، ۱۵۰ طبع دار الکتب العلمیہ) (۱۷) محقق عبدالرزاق بھی صحیح کہتے ہیں۔(تحقیق علی الاذکار ص ۱۲۸) (۱۸) علامہ احمد خفاجی مصری فرماتے ہیں ''صححوه'' محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۲) (۱۹) صحیح ابن خزیمہ کے محقق علامہ محمد مصطفیٰ اعظمی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔(تحقیق علی ابن خزیمہ ج ۲ ص ۸۳۸، ۸۳۹) (۲۰) علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کافی تفصیل سے گفتگو کے آخر میں فرماتے ہیں ''الحديث الذي رواه حسين الجعفي عن ابن جابر عن ابي الاشعث عن اوس حديثا صحيحا لان رواته كلهم مشهورون بالصدق والامامة والعدالة'' (الصارم المنکی ص ۲۰۰) یعنی یہ صحیح حدیث ہے کہ کیونکہ اس کے سب راوی سچے امانت دار اور ثقہ وعادل ہیں۔(۲۱) علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام حاکم اور ابن حجر اور نووی اور ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کی صحت نقل کر کے فرمایا: ''ومن قال انه منكر او غريب لعلة خفية به فقد استروح لان الدار قطني ردها'' (مرقات ج ۳ ص ۴۱۰) جس نے کہا کہ یہ حدیث مخفی علت کی وجہ سے منکر یا غریب ہے تو اس نے سامان راحت حاصل کر لیا ہے کیونکہ امام دارقطنی نے اس مخفی علت کو رد کیا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم محفوظ ہیں ان کو مٹی نہیں کھا سکتی، اور معلوم ہوا کہ ہمارا درود وسلام رسول اللہ کی دربار میں پیش کیا جاتا ہے اور یہ پیش ہونا صرف روح پر نہیں بلکہ جسم مبارک پر بھی ہوتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ نے یہ ارشاد فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے جسم پر پیش ہونا ہی سمجھا اس لئے سوال کیا کہ وفات کے بعد

جسم تو بوسیدہ ہو جائے گا پھر تو پیش نہ ہو سکے گا، آپ نے فرمایا نہیں جسم سلامت رہے گا اس لئے جسم پر پیش ہو سکے گا اور ظاہر ہے کہ جسم عنصری میں حیات ہو تب ہی اس پر درود شریف پیش ہو سکتا ہے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال اور حضور کے جواب سے ظاہر اور واضح ہے کہ دنیا میں ہوتے ہوئے بھی آپ پر درود روح وجسم کے مجموعہ پر پیش ہوتا تھا، اور اب وفات کے بعد روضہ مبارکہ کے اندر بھی روح کے علاوہ جسم عنصری پر بھی درود پیش ہوگا، اور یہ روح کے تعلق کے بغیر نہیں ہو سکتا، تو اسی حدیث سے جسم عنصری کے ساتھ روح مبارکہ کا تعلق بھی ثابت ہے۔

<u>درود شریف پہنچنے کا معنی اور ایک شبہ:</u> درود شریف پہنچنا اور پیش ہونا ایک بات ہے یہاں مولوی امیر عبداللہ اور ڈاکٹر عثمانی کو شبہ پیش آیا ہے کہتے ہیں "درود شریف کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رحمت خاصہ کی دعا ہے کہ اے اللہ! اپنی شان اور نبی کریم کی شان کے مطابق آپ پر رحم فرما، یہ رحمت خاصہ آپ تک ہر صورت میں پہنچ جاتی ہے۔ (درود شریف کے الفاظ پہنچنا مراد نہیں) اگر الفاظ درود کا پہنچنا ہوتا تو صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مکہ سے پہنچتا۔" (اعلان حق ص ۲۷، یہ قبریں)

<u>جواب:</u> اگر نبی کریم کی نبوت اور آپ کے پاس وحی آنے کا منکر آپ والا سوال کردے کہ تم مسلمان کہتے ہو کہ حضور کے پاس وحی آتی تھی تو جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق خبر پہنچی کہ وہ شہید ہو گئے ہیں تو باوجود یکہ خبر غلط تھی آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت کیوں لے لی؟ آپ کے پاس وحی کیوں نہیں آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے؟ جس سے ثابت ہوا کہ آپ کے پاس وحی آنے کا مسلمانوں کا دعویٰ غلط ہے تو آپ ہی کے استدلال جیسے اس سوال کا جو جواب ہوگا وہی جواب آپ کے استدلال کا ہے، دراصل اللہ تعالیٰ نے سارے ذرائع ابلاغ بند کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان لیا اور اسی کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ ہوئی، اور اسی کے نتیجہ میں سورۃ فتح کی آیات نازل ہوئیں، اگر وحی کے ذریعے یا درود شریف پہنچنے کے ذریعے اطلاع کر دی جاتی تو یہ سب کیسے ہوتا؟ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے مقدر ایسا کیا تھا کہ ایسا واقعہ ہو اور بیعت رضوان ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے انعام کا اعلان ہو اور فتح مکہ کی راہیں ہموار ہوں، اس ایک جزئی واقعہ سے جناب والا عقیدہ اور قاعدہ کلیہ کیسے بنا رہے ہو؟

مولوی صاحب نے پہنچنے کا جو معنی بیان کیا کسی ایک بزرگ دیوبند سے بھی پیش نہیں کیا جا سکتا اور اس پر کوئی حدیث متواتر بلکہ خبر واحد بھی نہیں پیش کی، ہم چیلنج کرتے ہیں کہ یہ جناب کا عقیدہ ہے اس کے ثبوت میں صرف اور صرف ایک حدیث متواتر پڑھیے کسی ایک بھی عالم دین کا قول ہرگز حجت نہیں کیونکہ معاملہ عالم غیب کا ہے۔

اور ہم نے یہ روایات ذکر کر دیں کہ دور سے درود شریف پڑھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے درود شریف خدمت نبوی میں پہنچاتے ہیں اور فرشتوں کے درود پہنچانے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہونا نہیں کہتے ورنہ کیا وہ فرشتے اللہ کی رحمت اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں، اور جا کر روضہ مبارکہ پر برسا دیتے ہیں اور اس بارے میں حضرات اکابرین کی بے شمار عبارات پیش کی جا سکتی ہیں کہ فرشتے خدمت نبوی میں درود وسلام پہنچاتے ہیں بعض روایات اور عبارات کے مطابق حضور کو پڑھنے والے کا نام تک بتاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عقیدہ اور روایت یہ ہے: "لیس احد من امة محمد یصلی علی محمد او یسلم علیه الا بلغه یصلی علیک فلان ویسلم علیک فلان"

(مسند اسحاق بن راہویہ ص ۳۸۷، جزء حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱۸، والفوائد لابن مندہ والاصفہانی ج ۱ ص ۲۰۹، حدیث نمبر ۶۴۳)

نبی کریم کا جو امتی بھی آپ پر درود وسلام پڑھتا ہے آپ تک پہنچایا جاتا ہے کہ فلاں نے آپ پر درود یا سلام پڑھا۔ اور ایسی روایات کم از کم مولوی صاحب کی پیش کردہ روایات سے بہت درجہ قوی ہیں۔

چوتھی حدیث: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھا کرو کیونکہ وہ دن فرشتوں کی حاضری کا دن ہے اور جو بھی مجھ پر درود شریف پڑھے اس کا درود اس کی (درود سے) فراغت میرے پاس پہنچتا رہتا ہے، میں نے عرض کیا وفات کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق'' اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے، تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق ملتا ہے، (ابن ماجہ ص ۱۱۸)

اس حدیث کے متعلق (۱) علامہ محمد مہدی فاسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''قال الدمیری ورجال اسنادہ کلھم ثقات'' (مطالع المسرات ص ۳۲) (۲) کہ علامہ دمیری سے رجالہ ثقات نقل کیا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں پھر اس پر تنقید نہیں کی یعنی تائید کردی کہ واقعی ثقہ راوی ہیں۔ (فیض القدیر ج ۲ ص ۱۱۶) (۴) مولانا بدر عالم میرٹھی فرماتے ہیں کہ صحیح ہے۔ (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷) (۵) امام منذری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند عمدہ ہے باسناد جید۔ (الترغیب ج ۱ ص ۴۳۰) (۶) علامہ سمہودی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''باسناد جید کما قال المنذری'' عمدہ سند سے ہے جیسا کہ منذری نے فرمایا (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۸۰، خلاصۃ الوفاء ص ۴۵) (۷) محقق عبدالرزاق فرماتے ہیں: ''باسناد صحیح'' (تحقیق علی الاذکار ص ۱۲۸) (۸) امام سیوطی حسن قرار دیتے ہیں۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۸۷) (۹) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں'' رجالہ ثقات الا انہ منقطع'' اس کے راوی ثقہ ہیں مگر منقطع ہے۔ (القول البدیع ص ۱۶۴) (۱۰) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''باسناد جید ولہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفۃ'' ابن ماجہ نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کی مختلف الفاظ سے متعدد سندیں ہیں۔ (مرقات ج ۳ ص ۴۱۵) (۱۱) علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''رجالہ ثقات لکن قال البخاری زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی مرسل'' اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ''زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی'' روایت مرسل (یعنی منقطع) ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۶۰۴)

یاد رہے کہ منقطع ومرسل ہونے روایت کی حجیت پر اثر نہیں پڑتا اول اس لئے کہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ نے عبادہ بن نسی الکندی کے ذکر میں فرمایا کہ اس نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت حاصل کی ہے اور عبادہ سے زید بن ایمن اور سعید بن ابی ہلال نے روایت حاصل کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۵۳۲) تو انقطاع نہ ہوا، اگر بالفرض انقطاع ہو بھی تو منقطع ومرسل روایت کا حکم ایک ہے کہ جمہور ائمہ کے نزدیک حجت ہے۔

ایک شبہ: ایک مؤلف کہتا ہے کہ اس میں راوی سعید بن ابی ہلال کو ابن حزم نے ضعیف کہا ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے؟

جواب: ابن حزم اس جرح میں اکیلے ہیں کوئی محدث ان کا ساتھ نہیں دیتا اور ان کی جرح بھی غیر مفسر ہے، یہ صحاح ستہ کا راوی ہے ابوحاتم ''لا باس بہ'' اور ابن سعد ''ثقۃ ان شاء اللہ'' اور ساجی سچا کہتے ہیں عجلی اور ابن خزیمہ، دارقطنی، بیہقی، خطیب، ابن عبدالبر وغیرہم بھی ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰۶، ۱۰۷ وغیرہ) لہٰذا ان کی جرح انہی پر لوٹی۔

دوسرا شبہ: اس حدیث کے راوی زید بن ایمن کے بارے میں علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ (اور مولوی یونس نعمانی) فرماتے ہیں کہ مجہول ہے۔ (الصارم المنکی ص ۳۰۴، تقاریر مناظرہ قلمی)

جواب: ابن حبان نے اس کو ثقات راویوں (کی کتاب) میں ذکر کیا، علامہ ابن حجر وغیرہ حضرات نے اس کے راویوں کو ثقہ کہہ کہ زید کے ثقہ ہونے کو ظاہر کیا (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۰۶) ابن حجر فرماتے ہیں مقبول راوی ہے۔ (التہذیب ج ۱ ص ۳۲۶) تو زید کی ثقاہت ثابت ہوگئی اور لاعلمی پر علم کو ترجیح ہے اس لئے جو زید کو نہیں جانتے اس کے مقابلہ میں جاننے والے کی بات راجح ہے۔

پانچویں حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: "ان اللہ ملائکۃ سیاحین في الارض یبلغوني من امتي السلام" (مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۱، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۳، ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۲۸، سنن دارمی ج ۲ ص ۴۰۹، شعب الایمان حدیث نمبر ۱۵۸۲، الزہد لابن المبارک ص ۳۰۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵۹۵، صحیح ابن حبان، الاحسان رقم الحدیث ۹۱۴، مشکوۃ حدیث ۹۲۴، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۴۲، طبع دار الکتب العلمیہ، المعجم الکبیر ح۱۰۵۲۹، ۱۰۵۳۰، باب العین)

"زمین میں چلنے والے اللہ کے ایسے فرشتے بھی جو مجھ تک میری امت کے سلام پہنچاتے ہیں" اس حدیث کے متعلق (۱) علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اسناد صحیح" یہ صحیح سند والی ہے۔ (جلاء الافہام ص ۲۲) (۲) امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح" کہ اس کو بزار نے روایت کیا اور بزار کی سند کے روای ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵۹۵) (۳) علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صحیح سند سے ہے، بخاری کے راوی ہیں۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۶، وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۷۸، ۱۸۰) (۵) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحیح نقل کی ہے۔ (القول البدیع ص ۱۵۹) (۶) علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو (حصن حصین ص ۲۰۴) میں نقل کیا ہے اور ذکر کیا کہ میں نے وہ روایات ذکر کیں جو صحیح ہیں تو یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ (۷) علامہ احمد خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رواہ احمد والنسائي والبیهقي والدارمي وابن حبان وابو نعیم والخلعي بسند صحیح" (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۰) اس حدیث کو امام احمد ونسائی وبیہقی ودارمی وابن حبان وخلعی رضی اللہ عنہم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (۸) علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۴۲) (۹) علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مختلف طریقوں سے صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ (الصارم ص ۱۹۲) (۱۰) علامہ عبدالروف مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حاکم (۱۱) وذہبی و (۱۲) حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح ہونا نقل کیا۔ (فیض القدیر ج ۲ ص ۶۱۷) (۱۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے (۱۴) علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس روایت کو امام احمد اور ابونعیم اور بیہقی نے روایت کیا اور ابن عساکر نے متعدد سندیں ذکر کیں اور بعض سندوں کو حسن بتایا ہے۔ (مرقات ج ۳ ص ۹)

اس حدیث سے بھی وہی فوائد حاصل ہوتے ہیں جو حضرت اوس اور ابودرداء رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث سے حاصل ہوئے کہ فرشتوں کا آپ کی خدمت میں درود شریف پیش کرنا آپ کے جسم اطہر پر بھی ہوتا ہے جس سے جسم اطہر کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔

ایک شبہ: ڈاکٹر عثمانی کہتا ہے کہ "اس میں زاذان راوی ہے جس کے متعلق تقریب میں ہے کہ اس میں شیعیت ہے، تہذیب التہذیب کے مطابق حکم کہتے ہیں کہ یہ راوی باتیں بہت کرتا ہے، ابن حبان کہتے ہیں بکثرت غلطیاں کرتا تھا، ابواحمد حاکم کہتے ہیں اہل علم کے نزدیک مضبوط نہیں۔" (ایمان خالص ق ۲ ص ۱۵، ۱۷)

جواب: امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ زاذان ایسا ثقہ ہے کہ اس جیسے کے بارے میں پوچھا ہی نہ جائے، ابن عدی فرماتے ہیں کہ جب اس سے ثقہ راوی روایت کر رہا ہو تو اس کی احادیث "لا باس بها" ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۵۳) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں سچا راوی ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۳۰۷) علامہ ابن قیم فرماتے ہیں ثقہ ہے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات لیتا ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روایت لی ہے، حمید بن ہلال کہتے ہیں کہ ایسا ثقہ ہے جس کے بارے میں پوچھا ہی نہ جائے۔ (الروح ص ۶۹) علامہ ابن عبدالہادی فرماتے ہیں کہ اذان کی روایت امام مسلم نے لی ہے اور یحیٰی بن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ (الصارم ص ۱۹۲) ابن سعد کہتے ہیں ثقہ اور کثیر الحدیث ہے، خطیب کہتے ہیں ثقہ ہے عجلی کہتے ہیں کوفی تابعی اور ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۵۳) امام ابونعیم اصفہانی اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تذکرہ اولیاء کی فہرست میں کیا ہے اور فرمایا کہ انہوں نے حضرت علی، ابن مسعود، جریر بن عبداللہ، سلمان فارسی، براء بن عازب وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسند حدیثیں بیان کی ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۲۰ تا ۲۲۷، صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۶) ابن جوزیؒ نے ابن نمیر سے نقل کیا ہے (زاذان ایسے مقبول آدمی تھے) کہ ایک دفعہ عرض کیا میرے اللہ میں بھوکا ہوں تو روشن دان سے ان پر روٹی آ گری۔

باقی رہا اس کا شیعہ ہونا تو یہ تابعی بزرگ ہیں ان کا شیعہ بمعنی رافضی ہونا مسلم نہیں کیونکہ رافضی حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں بیان کرتا جب کہ یہ ان سے روایت لیتے ہیں ہاں اس معنی میں شیعہ ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھیں تو ایسا شیعہ ہونے سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور باتیں زیادہ کرنا ایسا عیب نہیں کہ روایت میں ضعیف ہو جائیں، اور ابن حبان متشدد ہیں ان کی جرح دوسروں کی تعدیل کے مقابلہ میں حجت نہیں، اور ابو احمد حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول ہے "لیس بالمتین عندھم" تو علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ جرح کے ادنیٰ درجہ کے الفاظ میں سے ہیں، ایسے کی روایت لکھی جائے گی، اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے عدالت ختم نہیں ہوتی (قواعد فی علوم الحدیث مع اعلاء السنن ج ۱۸، ص ۸۹۷۶) پھر تعدیل کرنے والے محدثین کے مقابلہ میں ایک محدث کی بات کتنا وزن رکھتی ہے؟

درود شریف کا پہنچنا: فائدہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم پر درود وسلام پڑھنے والے امتیوں کا درود وسلام فرشتے آپ کے پاس پہنچاتے ہیں اور یہ کہ دور سے پڑھا جانے والا درود پہنچایا جاتا ہے، یہ مضمون بکثرت حدیثوں میں آیا ہے۔ (۱) حضرت ابوامامہ (شعب الایمان "بسند لاباس بہ" (مطالع المسرات ص ۳۲) (۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ (جلاء الافہام ص ۳۷) (۳) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ (ایضاً ص ۳۸) (۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (ایضاً) (۵) علی رضی اللہ عنہ۔ (القول البدیع ص ۱۵۹) (۶) ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ۔ (ایضاً ص ۲۳۴) (۷) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (ایضاً) (۸) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۹) خالد بن معدان رضی اللہ عنہ۔ (ایضاً) اور حضرت اوس وابوداؤد وابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ابھی ذکر ہو چکیں کہ یہ پہنچنا جسم اطہر پر بھی ہوتا ہے جو جسم عنصری کی حیات کا صریح اور واضح ثبوت ہے۔

چھٹی حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے: "ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام" (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۹، مسند احمد ج ۲ ص ۵۶۷، شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱۷، مسند اسحاق بن راہویہ ص ۲۰۴، رقم ۵۲۰، مسند ابن شیبہ ح ۲۶۹، الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۶)

"جو بھی مجھ پر سلام کرے گا (دور ہو یا نزدیک) اللہ تعالیٰ میری روح (کی توجہ) مجھ پر لوٹا دیں گے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں گا" یعنی چاہے قبر پر حاضر ہو کر کوئی سلام پڑھے یا دور سے وہ سلام جب مجھ تک پہنچے گا میں سلام کا جواب دوں گا۔"

(۱) علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۷۷) (۲) امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رواہ احمد وابو داؤد والطبرانی والبیهقی باسناد حسن وقال شیخنا رواته ثقات" (القول البدیع ص ۱۶۱) امام احمد وابوداؤد وطبرانی وبیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور (۳) ہمارے استاد علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹) (۴) علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وقد صح اسناد هذا الحديث" اس کی سند صحیح ہے۔ (جلاء الافہام ص ۱۸) (۵) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "باسناد صحیح" یہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ (الاذکار ص ۱۲۹، ریاض الصالحین ص ۵۳۰) (۶) محقق علامہ عبدالرزاق المہدی فرماتے ہیں "باسناد جید" عمدہ سند سے ہے۔ (تحقیق علی الاذکار ص ۱۲۹) (۷) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ (شرح الشفاء ج ۳ ص ۴۹۹) اور فرماتے ہیں "قال ابن حجر ورواه الطبرانی وابن عساكر وسنده حسن بل صححه النووی فی الاذكار وغيره" (مرقات ج ۳ ص ۱۰) کہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام طبرانی اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (۸) علامہ احمد خفاجی رحمۃ اللہ علیہ اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۹۸) (۹) علامہ عبدالروف مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قال فی الاذكار والرياض اسناده صحیح وقال ابن حجر رواته ثقات" امام نووی نے اذکار اور ریاض الصالحین میں فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے راوی کے ثقہ ہیں۔ (فیض القدیر ج ۵ ص ۶۰۶)

شبہ: ڈاکٹر عثمانی کہتا ہے کہ اس کے روای یزید بن عبداللہ بن قسیط رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ابن حبان کہتا ہے کہ کبھی کبھی غلطی کرتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "لیس هناک" یعنی قوی نہیں، ابن حبان ایک جگہ کہتے ہیں خراب حافظ کا مالک تھا، امام رازی کہتے ہیں میرے باپ نے کہا قوی نہیں ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں قوی نہیں ہے۔ (ایمان خالص ق ۲ ص ۱۹)

جواب: حضرت یزید بن عبداللہ قسیط رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة من الرابعة مات سنة اثنتين وعشرين وله تسعون سنة" (تقریب ج ۲ ص ۳۲۷) ثقہ اور چوتھے طبقہ کا راوی ہے۔ ۱۲۲ھ کو نوے سال کی عمر میں وفات پائی، صحاح ستہ کا راوی ہے، اور فرماتے ہیں "وثقة النسائي" (لسان المیزان ج ۷ ص ۴۴۲) امام نسائی نے ثقہ کہا ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمر وسعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لیتا ہے اور ان سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وابن ابی ذئب رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت روایت کرتی ہے اور امام محمد بن اسحاق فرماتے ہیں یہ فقیہ وثقہ تھے، امام ابن معین نے اس کو صالح فرمایا (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۳۰، ۴۳۱) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جرح وتعدیل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "محتج به في الصحاح" صحاح میں ان سے حجت لی گئی ہے۔ اور فرماتے ہیں شیخ مالک "ثقة مشهور" امام مالک کے استاذ اور مشہور ثقہ راوی ہیں۔ (المغنی ج ۲ ص ۵۳۹ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وثقه النسائي وابن سعد" نسائی اور ابن سعد نے ان کو ثقہ کہا ہے (اسعاف المبطاء برجال الموطا ص ۷۸۰) ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا، ابن عدی فرماتے ہیں محدثین کے ہاں صالح الروایات یعنی درست روایات والا ہے، ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مواقع میں اس کی روایت سے حجت پکڑی ہے اور ثقات میں سے ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۹،۸) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک غلطی کے موقع پر "لیس هناک" کہہ کر صرف اس موقع پر غلطی کرنے والا کہا نہ کہ ضعیف کہا۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۸) ابن حبان وغیرہ جارحین متشدد ہیں ان کی جرح مردود ہے، اول تو محدثین ذکر

کر رہے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لی ہے۔ (کیونکہ جب ان کی ولادت ۲۲ھ بنتی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۵۸ھ) میں وفات پاتے ہیں اور دونوں مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہیں تو ملاقات ہونا کیوں ناممکن ہے؟) دوم اگر بالفرض براہ راست نہ سنا ہو تو انقطاع میں حرج نہیں ہم احناف کے نزدیک منقطع روایت بھی حجت ہوتی ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث) لیکن صحیح یہی ہے کہ منقطع نہیں مسند بسند متصل صحیح حدیث ہے۔

شبہ: اس روایت پر مشہور عقلی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کے مطابق آپ کو ہر سلام کرنے والے کے سلام کے وقت توجہ کرنا اور جواب دینا باعث تکلیف ہے۔

جواب: یہ آخرت کا معاملہ جس کو دنیا کے معاملات پر قیاس کر کے نہیں سمجھا جاسکتا، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقد اشکل ذالک من جهة اخری وهو انه یستلزم استغراق الزمان کله فی ذالک لاتصال الصلوة والسلام علیه فی اقطار الارض ممن لایحصی کثرة واجیب بان امور الاٰخرة لا تدرک بالعقل واحوال البرزخ الاٰخرة" (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹، ۱۳۰) اور دوسرے طریقہ سے بھی اشکال کیا گیا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کا سارا وقت ہی سلام کے جواب دینے میں خرچ ہوتا ہوگا؟ کیونکہ زمین کے بکثرت اطراف سے آپ کو صلاۃ وسلام پہنچتا ہوگا جو گننے وشمار سے باہر ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آخرت کے معاملات عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے ہیں، اور برزخ کے حالات آخرت کے حالات کے مشابہ ہیں۔ (تو وہ بھی عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے بس ایمان لانا ضروری ہے)

امام بیضاوی کے الفاظ بھی اسی قسم کے موقع کے ہیں فرماتے ہیں: "فان قیاس ذالک العالم واحواله علی مانجده ونشاهده من نقص العقل وضعف البصیرة" (سورۃ بقرۃ آیہ ھم فیھا خالدون) اس جہان اور اس کے حالات کو موجود اور مشاہدہ کئے ہوئے حالات پر قیاس کرنا کم عقلی اور ضعف بصیرت کی بات ہے۔"

یہی شبہ مولوی امیر عبداللہ صاحب کو پیش آیا ہے اور اسی شبہ میں مبتلا ہو کر حیات النبی ﷺ کے منکر ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ "نماز کی حالت میں سلام کا جواب کیسے دیتے ہیں، رزق بھی ملتا ہے تمام لذتوں سے متمتع ہوتے ہیں، ان تمام چیزوں کے اوقات مقرر ہیں یا بیک وقت سب کام کرتے ہیں؟"

محترم قارئین! یہ مشکلات اس وقت پیش آتی ہیں جب، ہر وقت سننے اور جواب دینے کا قانون تسلیم کیا جائے اور ہر وقت رزق ملنے اور تمام عبادتوں اور لذتوں سے متمتع ہونے کا قانون بنایا جائے، اگر آپ برزخی اعلیٰ زندگی تسلیم کرلیں جب اللہ تعالیٰ چاہے سلام وکلام سنانے کا قانون تسلیم کریں، تو کوئی اشکال نہیں۔ (اعلان حق ص ۵۱)

جناب والا! اگر آپ اپنی عقل سے کہہ دیں کہ تو مان یا نہ مان مجھے ان احادیث کے بعد تجھ سے سوچنے کی ضرورت نہیں بس تسلیم ہے، تو سب اشکال ختم ہو جائیں گے نہ کہ آپ کی فرض کی ہوئی کیفیت والی برزخی روحانی زندگی مان لینے سے اشکال ختم ہوں گے، اسی عقل نے ان باتوں کے ماننے سے جناب اور جناب کے ہم خیالوں کو روک رکھا ہے، اس کو کھلا جواب دیجئے، ورنہ جیسے دودھ پیتا بچہ دودھ چھوڑنے سے انکاری ہوتا ہے اس کی طرح اس نے بھی انکار ہی کرتے رہنا ہے۔

ساتویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: "من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اعلمته" (جلاء الافہام ص ۱۸، شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱۸) "جو آدمی مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے وہ میں سنتا ہوں (یعنی سنوں گا) اور جو دور سے درود پڑھے وہ مجھ کو بتلایا جاتا ہے۔ (یعنی بتلایا جائے گا)"

(۱) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "قلت و سنده جيد كما افاده شيخنا" (القول البدیع ص ۱۶۰) میں کہتا ہوں اس کی سند عمدہ ہے جیسا کہ (۲) ہمارے استاذ (علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ) نے یہی ظاہر فرمایا (علامہ ابن حجر نے فرمایا ہے۔"اخرجه ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد" (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹) کہ ابوالشیخ نے اس کو عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔(۳) علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "اخرجه ابو الشيخ ابن حيان في كتاب ثواب الاعمال بسند جيد" (الحرز الثمین ص ۷۷۴، مرقات ج ۲ ص ۷۴۳ مکتبہ امدادیہ، ج ۳ ص ۱۸ طبع کوئٹہ) ابوالشیخ ابن حیان نے کتاب ثواب الاعمال میں اس کو عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔

شبہات: اس روایت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں راوی محمد بن مروان سدی ہے جو متروک وضعیف قسم کا راوی ہے، اس کے لئے حوالہ شعب الایمان کا دیا جاتا ہے، شعب الایمان بیروت سے چھپ چکی ہے اس میں ہم نے یہ دیکھا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "(۱) اخبرنا ابو الحسن بن بشر انا ابو جعفر محمد بن عمرو بن البختري ثنا عيسى بن عبدالله الطيالسي ثنا العلاء بن عمرو الحنفي ثنا ابو عبدالرحمن عن الاعمش (ح) (۲) واخبرنا ابو الحسن بن الفضل القطان انا ابو الحسين احمد بن عثمان الآدمي ثنا محمد بن يونس بن موسىٰ ثنا الصمعي ثنا محمد بن مروان السدي عن الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة قال قال رسول الله من صلى علي عند قبري وكل بها ملك يبلغني وكفى بها امر دنياه وآخرته وكنت له شهيدا وشفيعا هذا اللفظ حديث الاصمعي، وفي رواية الحنفي قال عن النبي قال من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلّى علي نائيا بلغته" (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱۸ رقم الحدیث ۱۵۸۳)

ذرا اچھی طرح غور کریں کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ اس حدیث کی دو سندیں اور دو متن ذکر فرمارہے ہیں ایک سند میں "علاء بن عمرو حنفي ابو عبدالرحمن" سے اور وہ اعمش سے روایت کرتے ہیں، دوسری سند میں اصمعی محمد بن مروان سے اور وہ اعمش سے روایت کرتے ہیں، امام بیہقی ایک سند دے کر حدیث کا متن یہ ذکر کرتے ہیں "من صلى علي عند قبري وكل بها ملك يبلغني الحديث" اور فرماتے ہیں "هذا اللفظ حديث الاصمعي" کہ یہ اصمعہ کی حدیث کے الفاظ ہیں، اور دوسری سند کا متن "من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا ابلغته" ذکر کرنے سے پہلے فرماتے ہیں "وفي رواية الحنفي قال عن النبي قال من صلى علي عند قبري الحديث" کہ حدیث: "من صلى علي عند قبري" کا متن علاء بن عمرو بن حنفی سے مروی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ متن حدیث جس سے شاید مماتی فرقہ کو مفہوم مخالف کی ڈنڈی مار کر تائید ملے کہ قبر کے پاس بھی وہاں مقرر فرشتہ صلاۃ وسلام خدمت نبوی میں پہنچاتا ہے (حضور خود نہیں سنتے) اس کو روایت کرنے والا ان کا ممدوح محمد بن مروان سدی ہے، جب کہ اہل سنت کی مؤید روایت کی سند میں محمد بن مروان نہیں بلکہ ابو عبدالرحمن عن الاعمش ہے، اب ابوعبدالرحمن کون ہے؟

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے جزء حیات الانبیاء (ص ۱۸) میں فرمایا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ ابوعبدالرحمن وہی سدی ہے، علامہ سمہودی نے بھی امام بیہقی کی بات لے کر سدی اور ابوعبدالرحمن ایک بنایا ہے۔(وفاء الوفاء ج ۴) مگر کتب اسماء الرجال میں محمد بن مروان کا ذکر ہے لیکن اس کی کنیت ہمارے پاس موجود کتابوں میں ابوعبدالرحمن یا کوئی اور موجود ہی نہیں، جب کہ خود امام بیہقی شعب الایمان ہی میں ایک جگہ سند ابوعبدالرحمن الکوفی "عن سليمان الاعمش" ذکر

کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں "ابو عبدالرحمن الکوفی مجھول" (ج ۴ ص ۳۸۰) کہ ابو عبدالرحمن کوفہ کا رہنے والا اور مجہول ہے، تو اس ابو عبدالرحمن کو ابن مروان سدی قرار دینا درست ہی نہیں، امام بیہقی بھی محض اندازہ سے کہہ رہے ہیں ان کو بھی اطمینان نہیں ہے، تو یہ مجہول ہے، لیکن اس کی جہالت سے اس روایت پر کوئی بڑا اثر نہیں پڑتا کیونکہ جس روایت پر استدلال کی بنیاد ہے وہ امام ابوالشیخ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ثواب الاعمال کی سند ہے جس کو محدثین عمدہ سند قرار دے رہے ہیں، مماتی لوگ محمد بن مروان والی سند پر اکابرین کی جرح اور حکم وضع نقل کرکے خوش ہوجاتے ہیں کہ ہم نے حدیث کو ضعیف یا موضوع ثابت کردیا لیکن "غالب دل کے بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے" سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں، ذرا ابوالشیخ کی سند صحیح پر کسی محدث کا کوئی کلام نقل کریں، ہاں میزان الاعتدال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی ایک سندہ وہ بھی ہے جس میں سدی ہے، تو اس طرح اس حدیث کی تین سندیں ہوجائیں گی، ایک صحیح سند جو ابوالشیخ کی ہے، اور دو ضعیف سندیں یعنی سدی اور عبدالرحمن والی، اور یہ دونوں صحیح سند کو مزید قوی کرنے میں معاون اور متابع کا کام دیں گی اور حدیث کی صحت یقینی ہوجائے گی۔

حدیث کا غریب ہونا جرح نہیں، اور بعض راویوں پر جرح کا جواب: بعض حضرات علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر کہ یہ روایت غریب ہے نازاں ہوتے اور ضعیف کہتے ہیں، لیکن اسکی حیثیت بھی ڈوبتے کو تنکے کے سہارے سے زیادہ نہیں کیونکہ غریب کا معنی ضعیف نہیں، بلکہ اس حدیث کو غریب کہتے ہیں جس کے روایت کرنے میں کوئی راوی اکیلا ہو اور ثقہ راوی ایک ہو تو روایت ضعیف نہیں ہوتی، مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ مشکوۃ میں فرماتے ہیں "ان الغرابة لا تنافي الصحة ويجوز ان يكون الحديث صحيحا غريباً" (ص ۶) کہ غرابت صحت کے منافی نہیں، ایسا ہوسکتا ہے کہ صحیح حدیث غریب ہو، علامہ ظفر احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غریب حدیث کا راوی ثقہ ہو تو صحیح ہوتی ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث مع اعلاء السنن ۸۸۲۵) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں "والغرابة لا تنافي الصحة والحسن" (جمع الوسائل ج ۱ ص ۳۰۶۔ ج ۲ ص ۲۳۴) غرابت صحیح اور حسن ہونے کے منافی نہیں ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ڈیرہ کے مماتیوں کی ایک تحریر میں میں نے خود لکھا ہوا دیکھا کہ اس کو ابو الشیخ نے گھڑلیا کیونکہ ان سے پہلے کسی نے یہ روایت نہیں کی۔ ظالمو! اگر امام ابوالشیخ ابن حیان رحمۃ اللہ علیہ پر وضع کا الزام لگاتے ہو تو اس کا کوئی ثبوت تو دو کہ ابوالشیخ حدیثیں گھڑنے والے تھے، حالانکہ تذکرۃ الحفاظ میں انکا تذکرہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اچھے انداز سے کیا، اور "حافظ اصبھان مسند الزمان" اور الامام اور "صاحب المصنفات السائرة" فرمایا ہے۔ (ج ۳ ص ۱۰۵) کیا انہوں نے یہ حدیث باسند نقل کرکے جرم کیا ہے؟ پھر ایروں غیروں کی ایسی بے ثبوت جرح کو تسلیم کرلیا جائے تو ایسی جرحوں سے کون محدث اور امام وفقیہ محفوظ رہ سکے گا؟

(یاد رہے کہ ابوالشیخ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ ح کے بعد ب کے ساتھ نہیں بلکہ ابن حیان ح کے بعد ی کے ساتھ ہے۔ (الرسالۃ المستطرفۃ ص ۷۳ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام اعمش سلیمان بن مہران پر جرح: مولانا امیر عبداللہ کہتے ہیں کہ اس میں اعمش مدلس اور شیعہ ہے، خود مولانا سرفراز فرماتے ہیں کہ "ان میں تشیع تھا" (تسکین الصدور ص ۱۸۵) حافظ ابن حجر نے اعمش کو تدلیس التسویہ کا مرتکب بتایا جو کہ بدترین تدلیس ہے مدلس راوی کی روایت قبول نہیں ہوتی۔ (اعلان حق ص ۳۸)

جناب! صرف شافعی محدثین کی تحقیق پر اعتماد کرکے تیر نہ چلایئے، احناف سے بھی پوچھا کیجئے کہ یہاں

اصول کیا ہے؟ سنیے! احناف کہتے ہیں کہ تدلیس سرے سے جرح ہی نہیں، احناف کے سرخیل علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''الاصح ان التدلیس لیس بجرح'' (قواعد فی علوم الحدیث مع اعلاء السنن ج ۱۸ ص ۸۹۴۴) اصح یہ ہے کہ تدلیس سرے سے جرح ہی نہیں ہے۔''

علامہ محمد حسن سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اما التدلیس فھو غیر جرح عند الحنفیۃ'' (تنسیق النظام حاشیہ مسند الامام ص ۶۹) تدلیس احناف کے نزدیک جرح ہی نہیں ہے۔''

جب تدلیس جرح ہی نہ ہوئی تو مدلس راوی کی روایت کیوں قبول نہیں ہوگی؟

اور آپ کہتے ہیں کہ ابن حجر نے ''تدلیس التسویہ'' کا مرتکب بتایا ہے۔ (معلوم نہیں کہاں کا حوالہ ہے؟)

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تو عثمان بن سعید دارمی سے ان کے متعلق تدلیس التسویۃ ہونا ذکر کرکے رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ''وسلیمان بن مھران الاعمش ذکرہ الحافظ فی طبقات المدلسین فی الدرجۃ الثانیۃ وھم من احتمل الائمۃ تدلیسہ واخرجوا لہ فی الصحیح لامامتہ وقلۃ تدلیسہ'' (اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۶۰۳۱) ''یعنی امام اعمش سلیمان بن مہران کو علامہ ابن حجر نے مدلسین کے دوسرے درجہ میں ذکر کیا ہے، اور دوسرے درجہ والے وہ ہیں جن کی تدلیس کو ائمہ نے برداشت کیا ہے اور صحیح روایات کے ذیل میں اس کی روایات لی ہیں کیونکہ اعمش امام ہیں اور قلیل التدلیس ہیں۔''

معلوم ہوا کہ ان کی تدلیس مضر ہی نہیں، اور استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ امام اعمش ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس مطلقاً مضر نہیں ہے، دیکھئے (توجیہ النظر ص ۲۵۱، تسکین الصدور ص ۳۳۰) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جن شیوخ سے اعمش نے بکثرت روایت کی ہے جیسے ابراہیم اور ابن ابی وائل اور ابو صالح السمان ان حضرات سے اگر ''عن'' سے بھی روایت کرے تو بھی وہ اتصال پر محمول ہے۔ (کہ ان سے روایت میں تدلیس نہیں کہ بلکہ خود سنا ہے) (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۲۴) اور یہاں ابو صالح السمان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے لہٰذا روایت متصل ہے، اس میں ہرگز تدلیس نہیں ہے۔

یہ درست ہے کہ استاذ نا المکرم مولانا محمد سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ (امام عجلی کے بقول) اعمش میں تشیع تھا، مگر اس کی وضاحت دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ کہ امام عجلی کے علاوہ اور کسی نے ان پر تشیع کا الزام نہیں لگایا اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کے ہاں مشہور دس قراتوں میں سے ایک قرات کے مسلم امام ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۱۰۸) امام خریبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''کان صاحب سنۃ'' امام اعمش سنی تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۰)

تشیع کیا ہے؟ اور شیعہ راوی کی روایت کا حکم: پھر یہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ تشیع کس کو کہتے ہیں؟ تابعین کا تشیع بمعنی رفض نہیں ہے اور نہ تشیع سے ان کی روایت رد ہے، ان کا تشیع یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سے سمجھتے تھے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فالتشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضیل علی رضی اللہ عنہ علی عثمان وان علیا کان مصیبا فی حروبہ وان مخالفہ مخطیٔ مع تقدیم الشیخین وتفضیلھما وربما اعتقد بعضھم ان علیا افضل الخلق بعد رسول اللہ واذا کان معتقد ذالک ورعا دینا صادقا مجتھدا فلا ترد روایتہ بھذا'' (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۲۹ ترجمہ ابان بن تغلب) متقدمین کی اصطلاح میں تشیع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھنا ہے، اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگوں میں درست رائے رکھنے والے اور ان کے مخالفین خطاء کرنے والے تھے، جب کہ ایسا شخص حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سب سے افضل سمجھتا ہے، کبھی ان میں سے بعض یہ

عقیدہ رکھتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ کے بعد سب سے افضل تھے، جب اس اعتقاد والا پرہیزگار دین دار سچ بولنے والا مجتہد ہو تو اس اعتقاد کی وجہ سے اس کی روایت رد نہیں کی جائے گی۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "التشیع محبة علی و تقدیمه علی الصحابة فمن قدمه علی ابی بکر و عمر فهو غال فی التشیع ویطلق علیه رافضی والا فشیعی (قواعد فی علوم الحدیث بحث الارجاء علی نوعین والتشیع علی نوعین"، "تشیع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس کو مقدم کرنا ہے، پھر جو ان کو حضرت ابو بکر عمر رضی اللہ عنہما پر بھی مقدم کرے تو تشیع میں غالی ہے، اور اس کو رافضی کہا جاتا ہے، ورنہ شیعہ ہے۔"

امام ذہبی اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "البدعة علی ضربین فبدعة صغری کغلو التشیع او کاتشیع بلاغلو ولا تحرف فهذا کثیر فی التابعین واتبعیهم مع الدین والورع والصدق فلو رد حدیث هولاء لذهب جملة من الآثار النبویة وهذه مفسدة بینة" (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵، لسان المیزان ج ۱ ص ۹) "بدعت دو قسم کی ہے، ایک چھوٹی بدعت ہے جیسے تشیع میں غلو ہونا یا غلو اور تحرف کے بغیر تشیع، تو یہ بدعت دین داری، پرہیزگاری، سچائی کے ساتھ تابعین اور تبع تابعین میں بکثرت ہے تو اگر ان لوگوں کی حدیث رد کی جائے تو بہت سی احادیث نبویہ ختم ہو جائیں گی اور یہ واضح خرابی ہے۔"

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فالغلو فی التشیع لیس بجرح اذا کان الراوی ثقة" (قواعد فی علوم الحدیث مع اعلاء السنن ص ۹۰۵۸، بحث الغلو فی التشیع) "تشیع میں غلو بھی جرح نہیں ہے جب راوی ثقہ ہو۔"

تو امام اعمش بھی اگر بالفرض شیعہ ہو تو بھی اس کی روایت رد نہیں ہو سکتی، یہ تابعی بزرگ ہیں، امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ادرک الاعمش جماعة من الصحابة وعاصرهم ورأی انس بن مالک" (صفة الصفوة ج ۳ ص ۵۶) امام اعمش نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو پایا اور ان کے ہم عصر ہوئے اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے (تو تابعیت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم پلہ ہوئے) جب کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھی ہیں۔

ابوصالح اور اس پر جرح: مزید امیر عبداللہ کہتے ہیں: "ابوصالح والکلبی اور محمد بن مروان السدی صغیر متروک الحدیث راوی ہیں نیز اعمش کی ملاقات ابوصالح سے نہیں ہے۔"

جواب: اس کی سند میں نہ کلبی ہے نہ صحیح سند میں سدی صغیر ہے رہا ابوصالح تو "اعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ" بخاری شریف کی سند اور بخاری کے راوی ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۳۵) تو یہ بخاری شریف کا راوی ابوصالح کون ہے؟ محدثین نے اس کا نام ذکوان زیارت السمان لکھا ہے، اوپر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ذکر ہوا کہ اعمش کے شیوخ میں ابوصالح السمان ہے، خود امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "سمعت من ابی صالح الف حدیث" "میں نے ابوصالح ذکوان السمان سے ایک ہزار حدیث سنی ہے۔" (تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۶۹) ابوصالح السمان کے متعلق علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کا رہنے والا ثقہ و ثبت راوی ہے کوفہ تیل لے جایا کرتا تھا۔ (اس لئے زیات لقب ہو گیا) تیسرے طبقہ کا راوی ہے، ۱۰۱ھ میں فوت ہوا، صحاح ستہ کا راوی ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۲۸۷) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ذکره احمد فقال ثقة ثقة من اجل الناس واثقهم" (تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۶۹) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوصالح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ثقہ ہے، ثقہ ہے، جلیل القدر اور سب سے بڑھ کر ثقہ لوگوں میں سے ہے (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۰، ۲۶۱ میں) سب محدثین سے ان کی توثیق نقل ہے)

بعض مماتی لوگ کہتے ہیں کہ یہ ابوصالح ذکوان الزیات نہیں ہے بلکہ ابوصالح مولی التوامہ ہے جس کا نام نبہان ہے، اور وہ متروک الحدیث ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ مماتیوں کی ضد سے زیادہ کچھ قابل وقعت بات نہیں کیونکہ ابوصالح نبہان سے روایت کرنے والا صرف سالم ابوالنضر مذکور ہے، اعمش وغیرہ کا کچھ تذکرہ نہیں ملتا (تہذیب) اگر بالفرض (کفرض المحال) یہ مولی التوامہ ہی ہو تو نبہان مولی التوامہ بھی اتنا گیا گزرا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے روایت ضعیف ہو، چہ جائے کہ موضوع ہو، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مولی التوامہ مقبول اور تیسرے درجہ کا راوی ہے امام بخاری نے اس کی روایات لی ہیں۔ (تقریب ج۲ ص۲۴۰)

بعض مماتیوں نے کہا کہ یہ ابوصالح مولی ام ہانی ہے جس کا نام باذام یا باذان ہے جس پر کئی محدثین نے جرح کی ہے لیکن امام یحییٰ بن معین اس کو ثقہ کہتے ہیں۔ (میزان ج۱ ص۲۹۶) اور قطان کہتے ہیں میں نے اپنے محدثین ساتھیوں میں سے کوئی ایسا نہیں دیکھا جس نے اس کو ترک کر دیا ہو (روایت نہ لیتا ہو) اور محدثین میں سے کسی سے اس میں کلام کرتا نہیں سنا، امام عجلی نے بھی اس کو ثقہ کہا۔ (تہذیب التہذیب ج۱ ص۴۱۹) لیکن یہ راوی مراد لینا بھی غلط ہے کیونکہ اس کے متعلق امام اعمش فرماتے ہیں "کنا نأتی مجاهدا فنمر علی ابی صالح وعنده بضعة عشر غلاما ما نری ان عنده شیئا" کہ (جب) ہم حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تو اس ابوصالح کے پاس سے گزرتے ان کے پاس دس سے اوپر لڑکے ہوتے ہم نہیں سمجھتے تھے کہ اس کے پاس کچھ علم ہے۔ (میزان ج۱ ص۲۹۶) تو جب اس ابوصالح کی پوزیشن امام اعمش کی نظروں میں یہ تھی تو وہ اس سے روایت لے کر آگے کیسے نقل کرتے حالانکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ اس کے پاس کچھ علم نہ ہوتا تھا؟ لہٰذا اس کو مراد لینا ضد اور جہالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ابومعاویہ راوی: نیلوی صاحب نے اس کے راوی ابومعاویہ محمد بن حازم کو بھی مجروح ٹھہرانے کی کوشش کی ہے، کہتے ہیں: "سید امیر علی مفسر ملیح آبادی نے حاشیہ تقریب میں فرمایا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ شاید حضرت امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو ابن خراش کے علاوہ دیگر علماء محدثین کی جرح ثبوت تک نہیں پہنچی، عجلی نے کہا ثقہ تو ہے مگر مرجئہ کا عقیدہ رکھتا تھا، ابوداؤد، وابن حبان وابوزرعہ وغیرہ نے بھی مرجئہ عقیدہ والا بتایا ہے۔"

امام حاکم نے فرمایا کہ ابومعاویہ ایک غالی شیعہ ہوا ہے۔ (خلاصہ، احسن العقائد ص۱۱۸، ۱۱۹)

جواب: امام عجلی فرماتے ہیں کوفہ کا رہنے والا اور ثقہ ہے، یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں ثقہ راویوں میں سے ہے کبھی تدلیس کر لیتا ہے، ابن خراش کہتے ہیں سچا راوی اور اعمش میں ثقہ ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کر کے فرمایا حافظ اور مضبوط راوی ہے، ابن سعد فرماتے ہیں ثقہ کثیر الحدیث ہے تدلیس بھی کرتا تھا، نسائی فرماتے ہیں اعمش سے روایت میں ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۱۸، ۲۱۹) امام ذہبی اس کو "الحافظ الثبت" کہتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۲۱۵) امام حاکم کہتے ہیں کہ بخاری مسلم نے اس سے حجت لی ہے جب کہ اس کے بارے میں تشیع میں غلو کی شہرت ہوئی ہے۔ (مختصراً میزان ج۴ ص۵۷۵) تو ابومعاویہ کے بارے میں کسی بھی محدث نے ضعیف کا ادنیٰ جرح والا کلمہ بھی نہیں کہا نہ جھوٹ یا وضع کی تہمت لگائی، رہا ان کا مرجئہ ہونا تو مرجئہ ہونے کی جرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بھی ثابت ہے، تو اگر ابومعاویہ کی حدیث ارجاء کی وجہ سے ضعیف ہے تو امام اعظم کی روایت بھی ضعیف ہے والاً فلا، (مرجئہ کی ایک قسم مرجئہ اہل سنت بھی ہے) اور رہا ان کا تشیع میں غلو تو ذرا انصاف سے کہئے کہ شیعہ بمعنی رافضی اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھ سکتا ہے جب کہ ان کے بیٹے کا نام معاویہ ہے؟ یہ غالی فی التشیع

اس اعتبار سے ہوسکتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے اور ان کے مخالفین کو خطاء پر سمجھتے ہوں گے، اسی نظریہ میں ان کو غلو ہوگا۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ذکر ہوگئی ہے: "فالغلو فی التشیع لیس بجرح اذا کان الراوی ثقۃ" (قواعد فی علوم الحدیث بحث الغلو فی التشیع) تشیع میں غلو بھی جرح نہیں ہے جب راوی ثقہ ہو"

امام اعمش کے تذکرہ میں بحوالہ امام ذہبی وغیرہ اس کی تفصیل گزر گئی کہ ایسوں کی حدیث ضعیف ومردود نہیں ہے، اور ابو معاویہ کا کبھی تدلیس کرنا بھی حدیث کو ضعیف نہیں بناتا کیوں کہ اول تو احناف کے ہاں تدلیس جرح نہیں، دوم اعمش سے ابو معاویہ نے بکثرت احادیث حاصل کی ہیں تو اعمش اور ابو معاویہ کے درمیان کسی اور راوی کا احتمال نہیں ہے جس کو چھوڑ کر ابو معاویہ نے تدلیس کی ہو، نیز اس حدیث میں ابو معاویہ عن سے روایت نہیں کررہے "حدثنا الاعمش" کہہ رہے ہیں اس لئے بھی تدلیس نہیں ہے۔

<u>عبدالرحمن بن احمد العراج مجہول ہے؟</u>: نیلوی صاحب لکھتے ہیں "زیر بحث روایت میں حسن بن صباح کے شاگرد کا نام عبدالرحمن بن احمد الاعرج ہے جو کہ صاحب کتاب الثواب ابوالشیخ ...... کے استاذ تھے اور ایران کے مشہور شہر اصفہان میں عہدہ قضاء پر فائز تھے۔ ابوالشیخ نے اپنی دوسری کتب طبقات الاصفہانیین ص ۳۱۳ میں...... کہا ہے کہ قاضی عبدالرحمن بن احمد مجہول ہے...... مجہول اس راوی کو کہتے ہیں جس کا صرف ایک شاگرد ہو...... مجہول کی روایت قابل التفات وقابل استدلال نہیں ہوتی، تاہم حضرت محدث دارقطنی اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ اگر مجہول مروی عنہ سے ایک کے بجائے دو عادل محدث روایت نقل کریں تو اس صورت میں اس سے جہالت رفع ہو کر عدالت ثابت ہوجاتی ہے (التعلیق الحسن) لیکن جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ صرف دو عادل راویوں کی روایت سے اگرچہ مجہول کی جہالت عین یا جہالت اسمی تو زائل ہوجاتی ہے لیکن جہالت وصفی زائل نہیں ہوتی یعنی اس کی عدالت ثابت نہیں ہوسکتی، اس لئے جب تک مروی عنہ کی عدالت عند الجمہور ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کی روایت کو صحیح نہیں کہا جاسکتا...... اب چونکہ عبدالرحمن بن احمد الاعرج کے ایک شاگرد کا نام ابوالشیخ ...... ہے...... اور اس کے دوسرے شاگرد کا نام...... قاضی ابو محمد بن احمد بن ابراہیم ہے...... تو اگر...... عبدالرحمن کے دو شاگرد ہونے کی بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس صورت میں دارقطنی اور ابن حبان کے علاوہ جمہور محدثین کے قاعدہ کی رو سے وہ مجہول العدالت تو بہر حال رہے گا...... مجہول اور مستور کی روایت اس طرح مردود اور ناقابل استدلال ہے جس طرح کسی فاسق راوی کی روایت مردود سمجھی جاتی ہے۔" (خلاصہ، احسن العقائد ص ۱۲۰، ۱۲۱)

نیلوی صاحب کی تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ عبدالرحمن کے دو شاگرد ہیں جس سے اس کا مجہول العین ہونا تو ختم نہ ہوا لیکن عادل ہونا دارقطنی وابن حبان کے نزدیک تو ثابت ہوا مگر (بحوالہ انہاء السکن) جمہور کے نزدیک عادل ثابت نہ ہوئے، اس بارے میں کچھ تفصیل سمجھیں۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ومدار جہالۃ العین ومعرفتہا عند المحدثین علی الرواۃ عنہ فمن روی عنہ واحد فقط فہو مجہول العین عندہم ومن روی عنہ عدلان صار معروفاً وارتفعت جہالۃ عینہ... ثم اعلم ان مجہول العین وہو الذي روی عنہ واحد لیس بمردود الروایۃ عند المحدثین اتفاقاً بل فیہ اختلاف.." (قواعد في علوم الحدیث مع اعلاء السنن ص ۸۹۶۰) جہالت عین کا مدار محدثین کے نزدیک اس سے

روایت کرنے والوں پر ہے، تو جس سے صرف ایک روایت کرے تو محدثین کے ہاں مجہول العین ہے، اور جس سے دو عادل روایت کریں وہ معروف ہوگا اور اس کی جہالت ختم ہو جائے گی (اس کو مستور کہتے ہیں)...... پھر جان لیں کہ مجہول العین یعنی جس سے صرف ایک روایت کرے محدثین کے نزدیک بالاتفاق مردود الروایہ نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کی روایت مطلقاً قبول نہ ہوگی، دوسرا یہ کہ مطلقاً قبول ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیلوی صاحب کا یہ اصول کہ مجہول العین کی روایت بالاتفاق مردود ہے غلط ہے بلکہ مجہول کی روایت قبول ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، اور معلوم ہوا کہ عبدالرحمن سے روایت لینے والوں کے دو ہونے سے عبدالرحمن مستور راوی ہے، اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ "و لعلك علمت. بهذا موافقة كثير من المحدثين لابي حنيفة في قبول رواية المستور" شاید اس سے تجھے معلوم ہو گیا ہوگا کہ بہت سے محدثین نے مستور کی روایت قبول کرنے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے" یعنی امام صاحب اور بہت سے محدثین کے نزدیک مستور کی روایت قابل قبول ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقد قال بقبوله بعض الشافعيين ورجح ذالك سليم بن ايوب الفقيه ووافقه ابن الصلاح (الباعث الحثیث ص ۴۸) بعض شوافع مستور کی روایت کے مقبول ہونے کے قائل ہوئے، اور اسی کو سلیم بن ایوب رازی نے راجح ٹھہرایا اور ابن صلاح نے بھی اسے اتفاق کیا ہے۔"

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ مستور کی روایت کو ایک جماعت محدثین نے (امام ابوحنیفہ، ابن حبان نے حاشیہ) مطلقاً قبول کیا اور جمہور نے رد کیا لیکن تحقیق (قول فیصل) یہ ہے کہ مستور اور اس جیسے کی روایت جس میں (ہر طرح) احتمال ہو نہ مطلقاً قبول ہوگی نہ مطلقاً مردود ہوگی۔ بل هي موقوفة الى استبانة حاله كما جزم به امام الحرمين (نزہۃ النظر ص ۸۷) بلکہ وہ راوی کے حال ظاہر ہونے پر موقوف ہوگی جیسا کہ اس کو امام الحرمین نے یقینی بتایا ہے۔

تو جمعیت اشاعت والوں کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث فقیہ کے مقلد ہونے اور ان کو محدث اعظم ماننے کی وجہ سے دوسرے محدثین سے قطع نظر ان سے ثابت تصریح کی پیروی کر کے مستور کی روایت کو قبول کرنا چاہئے نہ کہ رد کرنا چاہئے، اور امام الحرمین اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول فیصل کے مطابق مستور کی روایت بالکلیہ مردود نہیں بلکہ اس میں توقف ہوگا، اگر تحقیق سے قابل قبول نکلی تو مقبول ہوگی، اور اگر تحقیق سے نا قابل قبول ثابت ہوئی تو رد ہوگی، تو جب اس حدیث کے مضمون کو جمعیت اشاعت کی پیدائش سے پہلے کی پوری امت نے قبول کیا، اور خود اس حدیث کی سند کو بہت سے محدثین نے عمدہ قرار دیا، تو خواہ مخواہ اس صحیح حدیث کو من گھڑت اور ضعیف ثابت کرنے کے لئے اور اس کے مضمون کا انکار کرتے ہوئے اپنے اوقات زندگی ضائع نہ کریں۔

نیز اس بحث سے ثابت ہوا کہ نیلوی صاحب کا بلا حوالہ یہ کہنا کہ مستور کی روایت محدثین وفقہاء دونوں کے اصول سے بالاتفاق نا قابل قبول ہے (احسن العقائد ص ۱۳) یہ ان کی غلط فہمی اور کم علمی ہے کیونکہ خصوصاً فقیہ اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو قبول کرتے ہیں اور کئی محدثین نے ان کی موافقت کی ہے۔

<u>مماتیوں کی چند غلط بیانیاں اور خیانتیں</u>: مزید مولانا امیر عبداللہ کہتے ہیں امام ابن عبدالہادی نے فیصلہ فرمادیا کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ پر گھڑی گئی ہے، امام عقیلی فرماتے ہیں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، امام محمد طاہر بن علی نے اپنی کتاب تذکرۃ الموضوعات میں لکھ کر اسے موضوع یعنی من گھڑت قرار دیا، امام ابن کثیر فرماتے

ہیں یہ حدیث متروک ہے یعنی نا قابل عمل ہے صحیح نہیں، علامہ محمد شریف کشمیری نے اس کو ضعیف اور موضوع قرار دیا ہے۔ (مختصراً اعلان حق ص ۳۹،۳۸)

جواب: بددیانتی اور خیانت کرنا بدترین گناہ ہے اور خود کو عالم دین کہلانے والے کے لئے زیادہ جرم ہے۔

علامہ ابن عبدالہادی کا حوالہ: علامہ ابن عبدالہادی کی آدھی بات مولوی صاحب نے نقل کی ہے پوری بات نقل نہ کرنا کون سی دیانتداری ہے؟ یہ درست ہے کہ ابن عبدالہادی نے سند پر بحث کی ہے لیکن حدیث کا جو مفہوم ہے کہ آپ عالم قبر کے پاس درود شریف سنتے ہیں جو حیات کی دلیل ہے اس کو بیچ مانتے ہیں، فرماتے ہیں: فاما ذاك الحديث و ان كان معناه صحيحاً فاسناده لا يحتج به و انما يثبت معناه باحاديث أخر (الصارم المنکی ص ۱۴۶) اس حدیث کا مفہوم و معنی اگر چہ صحیح ہے۔ لیکن سند قابل احتجاج نہیں جب کہ یہی مفہوم دوسری احادیث سے ثابت ہے۔''

اور فرماتے ہیں: فهذه الاحاديث المعروفة عند اهل العلم التي جاءت من وجوه حسان تصدق بعضها بعضاً و هي متفقة على ان من صلى عليه وسلم من امته فان ذالك يبلغه ويعرض عليه ...... و معلوم انه اراد بذالك الصلاة والسلام الذي أمر الله به سواء صلى عليه وسلم في مسجده او مدينته او مكان آخر فعلم ان ما امر الله به من ذالك فانه يبلغه واما من سلم عليه عند قبره فانه يرد عليه و ذالك كالسلام على سائر المؤمنين (الصارم المنکی ص ۱۴۵) یہ احادیث جو علماء کے نزدیک مشہور ہیں جو بہتر سندوں سے آئی ہیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ متفق ہیں کہ جو امتی بھی آپ ﷺ پر درود شریف پڑھے آپ سلام تک پہنچتا ہے اور پیش کیا جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ اس سے مراد وہی درود وسلام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے چاہے یہ درود آپ ﷺ پر (دور سے) مسجد نبوی میں پڑھا جائے یا مدینہ طیبہ میں یا کسی اور جگہ میں تو معلوم ہوا کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا وہ آپ ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے لیکن آپ سلام کی قبر شریف کے پاس جو سلام عرض کرے آپ ﷺ (سن کر) اس کا جواب بھی دیتے ہیں اور یہ ایسے ہے جیسے سب مسلمانوں پر سلام کی صورت ہے (کہ سب مؤمنین مردے سلام سنتے ہیں)

ابن عبدالہادی کا وہم: علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کی سند میں ابو معاویہ کا ذکر کیا ہے جو انتہائی فحش غلطی ہے ابو معاویہ سند میں نہیں ہے محمد بن مروان متفرد ہے۔

(الصارم المنکی ص ۲۸۳، اعلان حق ص ۳۸)

علامہ سیوطی کا حوالہ: مگر یہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا وہم ہے کیونکہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جو ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہوئے ہیں انہوں نے فرمایا: لم وجدت لمحمد بن مروان متابعاً على الاعمش الخرجه ابو الشيخ في الثواب حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاوية عن الاعمش به (اللالی المصنوعۃ ج ۱ ص ۲۵۹) یعنی پھر میں نے اعمش کی روایت میں سدی کا متابع پایا اور وہ ابوالشیخ کی کتاب الثواب میں ابو معاویہ ہے جو اعمش سے روایت کر رہا ہے۔

تو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے سدی کا متابع ابو معاویہ کو بتا کر ظاہر کیا کہ روایت میں سدی متفرد نہیں بلکہ دوسری سند ابو معاویہ والی بھی ہے تو ابو معاویہ والی سند وہم نہیں ہے بلکہ یہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کا وہم ہے، اور وہم ہر کسی کو ہو سکتا ہے یہ ابن عبدالہادی کی بے ادبی نہیں ہے،

علامہ محمد طاہر کا حوالہ: اور علامہ محمد طاہر ہندی نے بھی اس حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا،

بلکہ وہ حدیث کے ایک دوسرے متن کے متعلق بحث کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: ''من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا و کل الله ملکا یبلغنی و کفی امر دنیاه و آخرته و کنت له شهیدا او شفیعا فیه السدی الصغیر کذاب له شواهد کحدیث ان لله ملائکته سیاحین یبلغونی عن امتی السلام'' (تذکرۃ الموضاعات ص ۹۰) یعنی متن ''من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا و کل الله ملکا یبلغنی'' کی سند میں محمد بن مروان سدی صغیر کذاب ہے لیکن اس حدیث کی شواہد کئی احادیث ہیں جیسے حدیث ''ان لله ملائکته سیاحین یبلغونی عن امتی السلام'' دیکھئے وہ اس حدیث کے دوسرے متن کو ذکر کرکے اس کے شواہد مان کر اس کو حسن ٹھہرا رہے ہیں کیونکہ حدیث شواہد سے حسن بن جاتی ہے، اس دوسرے متن کا مفہوم اگرچہ ہماری بیان کی ہوئی روایت والا ہے مگر ہماری بیان کی ہوئی مستدل حدیث پر کلام نہیں ہے پھر اس دوسرے متن کے متعلق بحث کی مگر اس کو بھی موضوع نہیں کہا۔

علامہ ابن جوزی اور امام عقیلی کا حوالہ: ایسے ہی علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیث کا یہی متن ذکر کیا: من صلّی علیّ عند قبری سمعته و من صلی علی نائیاً و کل الله عز و جل ملکاً یبلغنی و کفی امر دنیاه و آخرته و کنت له شهیداا و شفیعا (الموضوعات ج ا ص ۳۰۳)

اور اسی متن کے متعلق فرمایا: ''هذا حدیث لا یصح و محمد بن مروان هو السدی.... قال العقیلی الاصل لهذا الحدیث من حدیث الاعمش و لیس بمحفوظ'' (الموضوعات ج ا ص ۳۰۳) یہ حدیث صحیح ثابت نہیں ہے، اور محمد بن مروان سے سدی مراد ہے۔ (۳) اسی متن کے متعلق امام عقیلی کہتے ہیں کہ اعمش کی حدیث سے اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ محفوظ نہیں ہے۔ مماتیوں نے ہماری مستدل حدیث کے متن کے ساتھ ان اقوال کو جوڑ کر اسکو موضوع ثابت کرنے کی جھوٹی کوشش کی ہے۔

شعب الایمان میں غلطی: یہاں ذہن میں رہے کہ سدی کی سند سے شعب الایمان میں حدیث کا جو متن ہے: من صلی علی عند قبری و کل بها ملك یبلغنی و کفی بها امر دنیاه و آخرته و کنت له شهیدا او شفیعا علامہ محمد طاہر ہندی اور ابن جوزی اور سیوطی وغیرہم کے مذکورہ بالا حوالوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس متن میں غلطی ہوگئی ہے (کیونکہ اللالی المصنوعہ وغیرہ میں یہی سند ہے، اور اس میں) صحیح متن یوں ہے: ''من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیاً و کل الله عز و جل ملکاً یبلغنی و کفی امر دنیاه و آخرته و کنت له شهیداً أو شفیعا'' (اللآلی ج ا ص ۲۵۸، الموضوعات ج ا ص ۳۰۳ تذکرۃ الموضوعات ص ۹۰)

اس لئے اس غلط متن سے مماتی یہ استدلال نہ کریں کہ قبر مبارک کے پاس بھی فرشتہ مقرر ہے جو آپ ﷺ کو صلاۃ وسلام پہنچاتا ہے اور آپ ﷺ خود نہیں سنتے فافہم۔

امام ابن کثیر کا حوالہ: (۴) امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہماری مستدل حدیث کو متروک نہیں کہا بلکہ فرماتے ہیں ففی استاده نظر تفرد به محمد بن مروان السدی الصغیر و هو متروك عن الاعمش الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۵) اس کی سند میں محمد بن مروان سدی صغیر ہے اور وہ روایت میں (ان کے علم کے مطابق) اکیلا ہے، اور یہ سدی متروک ہے جو اعمش سے روایت کرتا ہے تو وہ سدی کو متروک کہتے ہیں، اور مولوی صاحب حدیث کو متروک اور نا قابل عمل بتاتے ہیں کیونکہ نہ اپنا دل روضہ مبارکہ پر حاضری چاہتا ہے، اور نہ دوسروں کا وہاں جانا ان کو پسند ہے اس لئے کہتے ہیں یہ حدیث نا قابل عمل ہے یعنی روضہ مبارکہ پر حاضری کا عمل نہیں کرنا چاہئے۔

مولانا محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ: (۵) اور علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تقریر ترمذی میں باقاعدہ حیات النبی ﷺ کو ثابت کرتے تھے اور اس حدیث کو دلائل کی فہرست میں (پانچویں دلیل) لکھواتے تھے وہ ہرگز اس کو موضوع نہیں قرار دیتے تھے، مولانا حنیف جالندھری حفظہ اللہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ان کی تقریر ترمذی آج بھی ملتی ہے دیکھ لیا جائے، اور مولانا حسین علی بھی محمد بن مروان کی سند ضعیف کہتے ہیں، انہیں دوسری سند کا علم ہی نہیں ہوا، اور ہمیں محمد بن مروان کی صفائی دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی سند ہمارا مستدل نہیں۔

ابوالشیخ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: آج کل ایک بات یہ کہی جارہی ہے کہ تم لوگ حنفی کہلاتے ہو اور ابوالشیخ کی روایت پیش کرتے ہو حالانکہ ابوالشیخ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ضال مضل کہتا ہے۔ (بحوالہ تاریخ بغداد، اعلان حق طبع دوم)

ہم عرض کرتے ہیں کہ (۱) تم حنفی کہلاتے ہو اور امام ابویعلیٰ حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے تم کیوں ناراض ہو؟

(۲) ہم نے تانیب الخطیب پڑھی ہے وہاں سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہ قول امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اس لئے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سے بری ہیں۔ (تانیب الخطیب ص ۱۳۶ مکتبہ امدادیہ) اگر بالفرض انہوں نے امام صاحب پر جرح کی ہو تو امام صاحب کے خلاف امام ابن ابی شیبہ نے مستقل کتاب الرد علی ابی حنیفہ لکھی اور امام دارقطنی نے امام صاحب کو ضعیف کہا۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۲۵) تو کیا ابن ابی شیبہ اور دارقطنی کی سندیں امام صاحب پر جرح کی وجہ سے کمزور ہو جائیں گی؟ کیا محدثین نے یہ اصول لکھا ہے کہ امام صاحب پر جرح سے جارح محدث کی روایت مجروح ہو جاتی ہے؟

راوی الحسن بن صباح یا الحسین بن صباح؟: مولوی امیر عبداللہ صاحب (اعلان حق طبع دوم ص ۶۰) میں لکھتے ہیں: ''دوسری تحریف (مولانا صفدر نے) یہ کی ہے کہ جلاء الافہام میں راوی تو الحسین بن الصباح ہے اور مولانا نے اس کی جگہ الحسن بن الصباح لکھ دیا ہے؟''

جواب: یہ ہے کہ استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ سے ہرگز خیانت اور تحریف نہیں ہوئی نہ شعوری طور پر اور نہ غیر شعوری طور پر کیونکہ اگرچہ (جلاء الافہام ص ۱۸ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت) میں راوی الحسین بن الصباح لکھا ہے، لیکن یہ طباعت کی غلطی ہے صحیح الحسن بن الصباح ہے استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جلاء الفہام کا صحیح نسخہ ہوگا جس میں الحسن ذکر ہوا ہو، چنانچہ اما سیوطی (اللآلی المصنوعۃ ج ۱ ص ۲۵۹ طبع دار الکتب العلمیہ) میں ابوالشیخ کی سند ذکر کرتے ہوئے ''عبدالرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح'' لکھتے ہیں، ایسے ہی مماتیوں کے شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی نے بھی راوی حسن بن الصباح ذکر کرتے ہوئے روایت کی تحقیق کی کوشش کی ہے، اور حدیث کی مکمل سند ذکر کرتے ہوئے بھی ''عن الحسن بن الصباح'' کی تصریح کی ہے۔ (احسن العقائد حصہ شفاء العی ص ۱۱۶ تا ۱۱۹)

آٹھویں حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لیھبطن عیسیٰ ابن مریم حکما عدلا امام مقسطا ولیسلکن فجا حاجا او معتمرا ولیاتین قبری حتی یسلم علی ولا ردن علیہ'' (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۹۷، رقم ۴۲۱۴) ''عن ابی الطیب محمد بن احمد الحیری ثنا محمد بن عبدالوھاب ثنا یعلی بن عبید ثنا محمد بن اسحاق عن سعید بن ابی سعید المقبری عن عطاء مولی ام حبیبہ قال سمعت اباھریرہ، قلت رواتہ ثقات'' (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۶۲ بحوالہ ابن عساکر منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ۶ ص ۵۵) البتہ ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہما السلام حاکم عادل و منصف بادشاہ ہو کر اتریں گے پھر مقام فج سے

احرام باندھ کر حج یا عمرہ کے ارادے سے آئیں گے، اور میری قبر پر ضرور آئیں گے حتیٰ کہ مجھ پر سلام کریں گے میں ان کے سلام کا ضرور جواب دوں گا۔ اس حدیث کے متعلق امام حاکم اور ذہبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "ھذا حدیث صحیح الاسناد" یہ حدیث صحیح سند والی ہے، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ بھی صحیح کہتے ہیں۔ (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۴۷۳، رقم ۷۷۴۲) علامہ عبدالروف مناوی رحمۃ اللہ بھی فرماتے ہیں "قال الحاکم صحیح، وقال الذھبی اسنادہ صالح وھو غریب" امام حاکم نے فرمایا کہ صحیح حدیث ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صالح ہے اور یہ غریب حدیث ہے۔ (فیض القدیر ج ۵ ص ۵۱۹)

شبہ: مولوی امیر عبداللہ صاحب کہتے ہیں اس میں محمد بن اسحاق راوی ہے جس کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا: "دجال من الدجاجلہ" یہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے سلیمان تیمی کہتے ہیں میں اس بات گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۲، احسن الکلام ج ۲ ص ۱۷ (اعلان حق ص ۳۹)

جواب: یہ درست ہے کہ محمد بن اسحاق پر کئی محدثین نے جرح کی ہے لیکن بہت سے محدثین اس کو ثقہ وغیرہ کے الفاظ تعدیل سے ذکر کرتے ہیں اصح یہ ہے کہ اتنا ضعیف راوی نہیں ہے جتنا سمجھا جاتا ہے جس میزان کا مولوی صاحب نے حوالہ دیا ہے اسی میزان کا مصنف رحمۃ اللہ تلخیص المستدرک میں محمد بن اسحاق موجود ہونے کے باوجود اس کو صحیح سند والی کہہ رہا ہے، اور اسی میں ہے کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ اس جرح کو رد کرتے ہیں۔ (ج ۳ ص ۴۷۱) اور کہتے ہیں کہ میری تحقیق میں یہ ظاہر ہوا کہ محمد بن اسحاق حسن الحدیث ہے۔ (ج ۳ ص ۴۷۵) امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ امام مالک اور ہشام کی جرح کو بے وقعت ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہیب اور قطان نے بھی جرح میں ہشام اور امام مالک کی تقلید کرلی (تو وہ جرح بھی مردود ہے) اور سلیمان تیمی اہل جرح وتعدیل میں سے نہیں ہے۔ (ج ۳ ص ۴۷۵، تہذیب ج ۶ ص ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸) ابن حبان نے بھی فرمایا کہ ہشام کا قول ابن اسحاق کو مجروح نہیں کرتا اور امام مالک نے صرف ایک دفعہ جرح کردی پھر اس سے رجوع کرلیا اور وہ بھی حدیث کی وجہ سے طعن نہیں کرتے تھے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۳۸) ایسے ہی علامہ عبدالحی اس جرح کو نا قابل قبول قرار دیتے ہیں۔ (الرفع والتکمیل ص ۲۹) امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ کو معاصرین کی ایک دوسرے پر جرح ٹھہرا کرنا قابل قبول کہتے ہیں اور امام احمد اور عبداللہ بن زیاد بن سمعان رحمۃ اللہ سے بھی یہی نقل کرتے ہیں کہ یہ متبول جرح نہیں "لا یقبل قول بعضھم فی بعض" اور فرماتے ہیں: "فکان صدوقا حافظا اثنی علیہ ابن شھاب و وثقہ شعبۃ والثوری وابن عیینۃ وجماعۃ جلۃ" (جامع بیان العلم ص ۳۹۱) محمد بن اسحاق سچا اور حافظ (حدیث محفوظ کرنے والا) تھا ابن شہاب نے اس کی تعریف کی ہے اور شعبہ وثوری وابن عیینہ اور جلیل القدر جماعت نے اس کو ثقہ کہا ہے۔"

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں میں ستر سال سے محمد بن اسحاق کا ہم مجلس ہوا "مارئیت احدا" (من اھل المدینہ) "یتھم ابن اسحاق" میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو ابن اسحاق کو متہم کرتا ہو۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۳۴) امام شعبہ کہتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہے۔ یزید بن ہارون فرماتے ہیں اگر میری بادشاہی ہوتی تو میں محمد بن اسحاق کو محدثین پر امیر مقرر کرتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۰) ابوزرعہ دمشقی فرماتے ہیں "قد اجمع الکبراء من اھل العلم علی الاخذ عنہ" اکابرین علماء کا محمد بن اسحاق سے حدیث لینے پر اجماع ہے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۳۵) علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "ابن اسحاق ثقۃ لم یجرح بما یوجب ترک الاحتجاج بہ وقد وثقہ کبار

الائمة واثنوا عليه بالحفظ والعدالة الذين هم اركنا الرواية'' (جلاء الافہام ص ۶ حدیث ابی مسعود) محمد بن اسحاق ثقہ ہے، اس پر ایسی جرح نہیں ہوئی جو اس سے حجت نہ لینے کو لازم کرے جب کہ بڑے بڑے ائمہ نے اس کو ثقہ کہا اور حفظ وعدالت کے ساتھ تعریف کی اور روایت کے بھی دو رکن ہیں، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: ''احتجوا في عدة من الاحكام'' (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۵۶) محمد بن اسحاق کی سند سے فقہاء نے متعدد احکام میں حجت لی ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں میں نے محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں ایسی کوئی نہیں پائی جس پر ضعف کا قطعی حکم لگ سکے ہاں کبھی خطاء یا وہم میں مبتلا ہو جاتے تھے جیسے دوسرے مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس میں حرج نہیں۔ (تہذیب ج ۶ ص ۴۷ ۱۳) علامہ عینی فرماتے ہیں محمد بن اسحاق مدنی تابعی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے بخاری میں بخاری نے اس سے استشہاد کا کی اور کتاب القراۃ خلف الامام میں اس سے روایت لی اور مسلم نے متابعات میں اس کی روایت لی، اور سنن اربعہ والوں نے کی اس کی حدیث سے حجت لی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۹۷، ۹۸)

(۱) ابن نمیر فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق جب ان معروف حضرات سے حدیث بیان کرے جن سے سنی ہے (اور سعید المقبری بھی انہی میں سے ہیں) تو محمد بن اسحاق حسن الحدیث ہے سچا ہے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۳۵) (۲) امام ذہبی میزان ج ۳ ص ۴۷۵) میں اور (۳) امام احمد (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۰) اور (۴) امام یحییٰ بن معین اور (۵) ابن البرقی سب محدثین کے حوالہ سے اور (۶) محمد بن یحییٰ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۳۲ تا ۱۳۸) اور (۷) علامہ عبدالرؤف مناوی (شرح شمائل ج ۱ ص ۱۲۹) (۸) اور منذری (ترغیب ج ۴ ص ۹۰۹) اور (۹) ملا علی قاری (شرح الشفاء مع نسیم الریاض ج ۱ ص ۱۵۲) اور (۱۰) علامہ احمد شہاب الدین الخفاجی مصری (نسیم الریاض ج ۱ ص ۱۵۲) اور (۱۱) علامہ ظفر احمد عثمانی (اعلاء السنن ج ۲ ص ۵۸۴) اور (۱۲) مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۱ ص ۹۷) (۱۳) الشیخ ابراہیم بیجوری (مواہب لدنیہ ص ۶۴) وغیرہم رحمۃ اللہ علیہ ابن اسحاق کو حسن حدیث والا اور کئی حضرات اس کی حدیث کو حسن سے اوپر کہتے ہیں لہٰذا حدیث کے حسن ہونے میں کوئی قابل وقعت شبہ نہیں ہے۔

نویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق فرمایا: ''ثم لئن قال على قبري فقال يا محمد لاجيبنه'' (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۸۷ رقم ۱۳۸۱۳) ''وقال الهيثمي رواه ابو يعلى'' (ج ۵ ص ۴۹۷ رقم ۶۵۵۳) ''ورجاله (احمد بن عيسى حدثنا ابن وهب عن ابى صخر ان سعيد المقبرى اخبره انه سمع ابا هريرة رضی اللہ عنہ وكلهم) رجال الصحيح ولم يضعفه المحقق عبدالله محمد درويش'' وہ اگر میری قبر پر کھڑے ہو کر یا محمد! کہیں گے تو میں ضرور جواب دوں گا۔''

فائدۃ: امت کو حکم ہے کہ نبی کریم کو یا محمد! کہہ کر خطاب نہ کریں لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو کبھی یا محمد سے خطاب فرماتے تھے۔ (حدیث جبرائیل) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یا محمد کہہ سکنا اس حدیث سے ثابت ہوا تو یہ حضرات اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے، یہ اس طرح ہے جیسے حضور کا امت کو حکم یہ ہے کہ کافروں کے ساتھ لڑائی سے پہلے ان کو پیغام بھیجو کہ اسلام لائیں یا جزیہ ادا کریں یا پھر لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں، تو قتال سے پہلے صلح اور جزیہ ادا کرنے کی بات امت کے لئے ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ اور صلح کی صورت ختم کر دیں گے کہ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا: ''ويضع الجزية'' وہ جزیہ ختم کریں گے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۹۸) ان کا ایسا کرنا شریعت کے خلاف نہ ہوگا بلکہ اسی حدیث سے ثابت ہوا کہ ان کے لئے یہی حکم ہوگا، ایسے ہی ان کو یا محمد کہنے کی اجازت اس

حدیث سے ثابت ہوئی البتہ امت یہ نہ کہا کرے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی کی ہو مقصود محض نبی کریم ﷺ سے ان کا کلام کرنا اور آپ کا سن کر جواب دینا ہے۔

دسویں حدیث: حضرت مالک الدار اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''اصاب الناس قحط فی زمن عمر فجاء رجل الی قبر رسول اللہ ﷺ فقال یارسول اللہ استسق لامتک فانهم قد هلکوا، قال فاتاه رسول اللہ ﷺ فی المنام وقال ائت عمر فمره یستسقی للناس فانهم سیسقون وقل له علیک الکیس الکیس الحدیث'' (الریاض النضرہ ج۱، ۲ص ۳۲۰ بحوالہ فضائل الصحابہ للبغوی وابی عمر، مصنف ابن ابی شیبہ ج۷ ص۴۸۲، ۴۸۳ کتاب الفضائل باب فضائل عمر، روضۃ الاحباب ط ہند ج۲ ص۱۷۰، ۱۷۱، منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج۴ ص۳۲۳، الاستیعاب ج۲ ص۲۳۰،)''وقال العلامة الکوثری اخرجه ابن ابی شیبة بسند صحیح کما فی فتح الباری'' (ج۳ ص۱۴۳، کتاب الاستسقاء) باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا) مقالات الکوثری ص۲۸۸، ۲۹۳ ''قلت رجاله (ابو معاویة عن الاعمش عن ابی صالح عن مالک الدار) رجال الجماعة سوا مالک الدار وهو خازن عمر رضی اللہ عنہ علی الطعام ثقة کما قاله ابن حجر رحمہ اللہ وتابعه انس بن مالک رضی اللہ عنہ''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں پر قحط ہوا تو ایک آدمی (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ) نبی کریم ﷺ کی قبر پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! امت کے لئے اللہ سے بارش مانگیں کہ وہ تو ہلاک ہو رہے ہیں، تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کو حکم کرو کہ لوگوں کے لئے بارش مانگیں اور بارش ہوگی، اور اس کو کہو ہوشیاری سے کام لیں ہوشیاری سے کام لیں۔

علامہ کوثری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے اس عمل پر کسی دوسرے صحابی نے نکیر نہیں کی (بلکہ جب حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بجائے ان کو جھٹلانے اور خواب کو غلط ٹھہرانے کے اس کو سچا سمجھے اور رونے لگے) تو یہ روایت صحیحہ ظاہر کرتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کو قبر مبارک میں زندہ سمجھتے تھے۔

اس حدیث کو علامہ کوثری اور ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے، اور اس کے راویوں میں سے کسی پر معتبر کلام نہیں کی گئی ہے، سوائے مالک الدار کے سب صحاح ستہ کے راوی ہیں اور مالک ثقہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے غلہ پر خزانچی تھے، معلوم نہیں کہ مولوی امیر عبداللہ نے کہاں سے یہ نقل مار کر لکھا کہ: ''اس روایت کا راوی سیف بن عمر الضبی ہے جو بالاتفاق ضعیف اور زندیق ہے۔'' (اعلان حق دوم ص ۸۴)

اور لکھا کہ: ''اس واقعہ کو کسی محدث نے نہیں لیا، تاریخ کی کتابوں سے مسائل ثابت نہیں ہوتے'' (ص ۸۴) شاید ان کے نزدیک فتح الباری اور مصنف ابن ابی شیبہ حدیث کی کتاب نہیں ہے۔

گیارہویں حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''کنت ادخل بیتی الذی فیه رسول اللہ وابی فاضع ثوبی واقول انما هو زوجی وابی فلما دفن عمر معهم فواللہ ما دخلته الا وانا مشدودة علی ثیابی حیاء من عمر رضی اللہ عنہ'' (مسند احمد ج۶ ص۲۰۲، مشکوۃ ص۱۵۴ مجمع الزوائد ج۸ ص۲۱۵)''وقال الهیثمی رواه احمد ورجاله رجال الصحیح خلاصة الوفا ص۱۳۵ وقال الهیثمی رواه احمد ورجاله رجال صحیح علی شرط الشیخین، وهو کما قال اخرجه الامام احمد عن حماد بن اسامة (وهو حافظ حجة امام احد الاثبات سمع من هشام قال احمد کان ثبتا لایکاد یخطئی قال الذهبی لتقت الامة حدیثه بالقبول لحفظه ودینه'' (تذکرة

الحفاظ ج۱ ص ۲۳۴، ۲۳۵ و میزان ج۱ ص ۵۸۸)'' وھو عن ھشام بن عروہ (وھو ثقة فقیه من رواة الستة کما فی التقریب وقال الذھبی ھو شیخ الاسلام احد العلام حجة امام قال وھیب کان ھشام مثل الحسن وابن سیرین کذا فی تذکرة الحفاظ واثناہ کلھم) عن ابیه (عروة بن الزبیر ثقة فقیه من رواة الستة) عن عائشة رضی اللہ عنہا وھولاء کلھم ثقات ''میرے جس کمرے میں رسول اللہ ﷺ اور میرے والد ہیں میں اس میں یوں ہی داخل ہوتی اور لباس میں خاص اہتمام نہ کرتی، اور کہتی کہ یہ آقا اور والد ہی تو ہیں، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دفن ہوئے اللہ کی قسم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے کپڑے خوب سمیٹ کر جاتی۔

یہ روایت صحیحہ واضح کرتی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان حضرات کو زندہ سمجھتی تھیں کیونکہ اس قدر حیاء اور اہتمام زندہ سے کیا جاتا ہے نہ کہ بے جان مردہ سے، اس روایت کی تاویل میں مماتی لوگ ناقص العقل عورتوں سے بھی زیادہ ناقص العقل ہیں۔

شبہ: ڈاکٹر عثمانی اس حدیث کے راوی ابو اسامہ حماد بن اسامہ کو تغافل برتنے والا اور اپنے طور پر ضعیف بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے (ایمان خالص ص ۴، یہ قبریں یہ آستانے ص ۱۹، ۱۸)

لیکن یہ ان کی خواہ مخواہ کی بھڑک ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حافظ اور مضبوط راویوں میں سے ایک راوی ہے، اس پر ازدی نے جرح کا کوئی کلمہ کہا تو ذہبی اس کو رد کرتے اور قول باطل قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں امام احمد نے اس کو ثقہ اور کوفہ میں سب سے زیادہ علم والا اور ہشام سے سب سے زیادہ روایات لینے والا اور سب سے مضبوط قرار دیا اور فرمایا یہ غلطی کر ہی نہ سکتا تھا (میزان الاعتدال ج۱ ص ۵۸۸) اور فرماتے ہیں الحافظ الحجۃ ہے، اور اس کے حافظہ و دیانتداری کی وجہ سے امت نے اس کی حدیث کو قبول کرتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص ۲۳۴، ۲۳۵) علامہ محمد طاہر ہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اتفقوا علی توثیقه و شد الازدی بتضعیفه (قانون الموضوعات ص ۲۵۲) سب محدثین اس کے ثقہ قرار دینے پر متفق ہیں صرف ازدی ضعیف کہتا ہے جو قول شاذ ہے (قابل قبول نہیں ہے) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ازدی نے یہ جرح بروایت سفیان بن وکیع سفیان ثوری سے نقل کی ہے خود یہ ناقل سفیان بن وکیع ضعیف ہے۔ (لہذا جرح مردود اور غیر ثابت ہے) (تہذیب التہذیب ج۲ ص ۳۶۹)

بارہویں حدیث: حضرت داؤد بن ابی صالح فرماتے ہیں: ''اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجھه ولی القبر فقال اتدری ما تصنع؟ فاقبل علیه فاذا ھو ابو ایوب فقال نعم جئت رسول اللہ ﷺ ولم آت الحجر (رواہ احمد ج۵ ص ۴۲۲) وداؤد لم یضعفه احد'' (مجمع الزوائد ج۳ ص ۲۶۷)''قلت رجال احمد عبدالملک بن عمرو القیسی العقدی البصری من رواة الصحاح الستة وثقة کلھم وکثیر بن زید الاسلمی من رواة جزء القراءة للبخاری وابی داؤد الترمذی وابن ماجة صدوق یخطئی وثقه احمد وابن عمار الموصلی وابن عدی وغیرھم وضعفه البعض والتعدیل مقدم وداؤد بن ابی صالح الحجازی قال ابن حجر مقبول'' (اعلاء السنن ج۷ ص ۳۶۲۲ رقم ۳۰۶۲)''وقال صححه الحاکم والذھبی، وقال السمھودی رواہ احمد بسند حسن'' (وفاء الوفاء ج۴ ص ۱۸۴)

مروان ایک دن آیا تو دیکھا ایک آدمی قبر نبوی پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے ہے تو کہنے لگا کیا تو جانتا ہے کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے فرمایا ہاں (میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا

ہوں) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کوئی پتھر کے پاس نہیں حاضر ہوا۔ (کہ آپ پتھر کی طرح بے جان نہیں ہیں زندہ ہیں) اس سے بھی ظاہر ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کو پتھر جیسا بے جان نہیں سمجھتے تھے بلکہ زندہ سمجھتے تھے۔

علامہ ظفر احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وقد صح عن ابی ایوب الانصاری انه قال لمن انکر علیه وضع وجهه علی القبر انما جئت رسول اللہ ﷺ ولم آت اللبن او الحجر'' (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۰۴) یعنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ جس نے ان پر قبر نبوی ﷺ پر چہرہ رکھنے پر نکیر کی انہیں فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کوئی اینٹ یا پتھر پاس نہیں آیا ہوں۔ علامہ ظفر احمد رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ اس کو بسند حسن کہتے ہیں۔'' (ج ۷ ص ۳۶۱۶)

<u>تیرہویں حدیث:</u> امام دارمی مروان بن محمد سے اور وہ سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں:

''لما کان ایام الحرة لم یؤذن فی مسجد النبی ثلاثا ولم یقم ولم یبرح سعید بن المسیب من المسجد وکان لایعرف وقت الصلاة الا بهمهمة یسمعها من قبر النبی ﷺ'' (سنن دارمی ج ۱ ص ۵۶، ۵۷، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۸ دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۲۴۳،'' واخبار المدینة لزبیر بن بکار وطبقات ابن سعد خصائص کبری ج ۲ ص ۴۹۰'')

جب واقعہ حرہ کے دن تھے تو تین دن تک نہ مسجد نبوی میں اذان ہوئی نہ اقامت، اور حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے نہ نکلے ان کو نماز کا وقت ایک دھیمی آواز سے معلوم ہوتا تھا جو وہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے اندر سے سنتے تھے۔

کئی روایات میں وضاحت ہے کہ وہ آواز اذان واقامت کی ہوتی تھی حضرت سعید بن مسیب کا بیان ہے ''لم ازل اسمع الاذان والاقامة فی قبر رسول اللہ ﷺ'' میں نبی کریم ﷺ کی قبر میں سے اذان واقامت سنتا رہا ہوں، یہ آپ کی قبر اطہر میں حیات کی واضح دلیل ہے۔

اس روایت کے سنن دارمی کے راوی مروان بن محمد دمشقی طاطری ثقہ وامام ہیں علامہ ذہبی الحافظ العلامۃ کہتے ہیں، امام ابو حاتم نے ثقہ کہا، امام احمد اس کی اور اس کے علم کی اچھی تعریف کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۵) یہ مسلم وسنن اربعہ کے راوی ہیں سب محدثین نے ثقہ کہا ہے، اکیلے ابن حزم نے ابن قانع کی جرح پر قناعت کر کے بلا ثبوت ضعیف کہا جو مردود جرح ہے اور ابن قانع قناعت کرنے کے قابل نہیں۔ (تقریب ج ۲ ص ۱۷۲، میزان ج ۴ ص ۹۳، تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۶۵۴) اور سعید بن عبدالعزیز دمشقی مفتی دمشق امام وثقہ ہے، علامہ ذہبی ''الامام فقیه اهل دمشق'' سے یاد کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۱) امام احمد نے اس کو امام اوزاعی کے برابر اور ابو مسہر نے اوزاعی سے اونچے درجہ کا قرار دیا۔ (میزان ج ۲ ص ۱۴۹) اور امام احمد فرماتے ہیں شام میں ان سے بڑھ کر حدیث کی صحت میں کوئی نہ تھا، امام حاکم کہتے ہیں سعید مقدم ہونے میں اور فقہ میں اہل شام کے لئے ایسے ہیں جیسے امام مالک اہل حجاز کے لئے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۱) امام ابن معین اس کو حجت کہتے ہیں، امام ذہبی نے ثقہ ہونا راجح ٹھہرایا ہے۔ (میزان ج ۲ ص ۱۴۹) عجلی اور ابو حاتم اور ابن سعد اور ولید بن مسلم اور نسائی ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۷۷، ۸۷) تو یہ روایت بالکل صحیح ہے اور حسن سے تو کم درجہ نہیں ہے۔

<u>چودھویں حدیث:</u> حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق صحیح سند سے مروی ہے کہ سفر کے لئے جاتے وقت اور واپسی کے وقت ضرور نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر پر حاضری دیتے اور خطابانہ الفاظ سے عرض کرتے ''السلام علیکم

علیك یا رسول الله. السلام علیك یا ابابکر السلام علیك یا ابتاہ" (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۱۸ بحوالہ عبدالرزاق ج ۶۷۲۴، ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۲۲، باسناد صحیح وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۸۳) اس حدیث سے بھی آپ ﷺ کی حیات ثابت ہوتی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر خطاب کے انداز سے سلام عرض کرتے تھے، اور سلام میں خطاب اس کو ہوتا ہے جو سنے جیسا کہ سلام اہل قبور کے تحت علماء نے واضح تحریر کیا ہے۔و ھذا خطاب لمن یسمع و یعقل یہ ایسے کو خطاب ہے جو سنتا سمجھتا ہو (جیسا کہ اگلے مضمون میں بحث سماع موتی میں حوالے درج ہیں) اور یہ حوالے پہلے ذکر ہوئے ہیں کہ حاضر ہونے والا آپ ﷺ کو سننے والا سمجھے۔

پندرھویں حدیث: امام نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: "قال من السنة ان تأتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة و تجعل ظھرك الی القبلة و تستقبل القبر بو جھك ثم تقول السلام علیك ایھا النبي و رحمة الله و بر کاته (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۱۸ رقم ۳۰۶۰ بحوالہ مسند امام اعظم للحافظ طلحہ بن محمد عن صالح بن احمد بن عثمان بن سعید عن ابی عبد الرحمن المقری عن ابی حنیفہ عن نافع، وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۸۴، ۱۸۳) کہ سنت (صحابہ رضی اللہ عنہم) اس طرح ہے کہ قبر نبوی ﷺ پر قبلہ کی جانب سے آؤ، اپنی پیٹھ قبلہ کی جانب کرو، اور چہرہ قبر شریف کی طرف کرو، اور کہو السلام علیك ایھا النبي و رحمة الله و بر کاته۔

اس سے بھی ظاہر ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خطابانہ انداز سے سلام عرض کرتے تھے کیونکہ یہاں سنت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ مراد ہو سکتا ہے، مماتی لوگ اول تو روضہ مبارکہ پر حاضر ہونے سے کتراتے ہیں اور اپنے متعلقین کو مدینہ طیبہ کی حاضری سے اعراض کی ترغیب دیتے ہیں، اور جائیں تو خطاب کے انداز کے سلام سے انہیں مروڑ ہوتی ہے۔

سولھویں روایت: (۱) حضرت حاتم بن وردان رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے: "کان عمر بن عبد العزیز یو جه بالبرید قاصدا الی المدینة لیقری عنه النبی السلام" (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۱، ۴۹۲) "عن عبدالله بن یو سف الاصفھانی انا ابراھیم بن فراس بمکة حدثنی محمد بن صالح الرازی نا زیاد بن یحیی (ابن زیاد بن حسان البصری ثقة من رواة الستة) عن ھاتم بن وردان (السعدی البصری امام مسجد ایوب ثقة من رواة الصحیحین و الترمذی و النسائی)" (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۱۵، القول البدیع ص ۲۱۲) "قال السمھو دی قد استفاض عن عمر بن عبدالعزیز، ممن ذکره عنه الامام ابو بکر بن عاصم النبیل فی مناسلکه الذی التزم له الثبوت" (یعنی الصحة) (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۸۳) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک آدمی قاصد بنا کر (ملک شام سے) صرف اس لئے بھیجتے کہ ان کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرے۔

فائدہ: علامہ ابن عبدالھادی نے یہ شبہ ظاہر کیا کہ راوی حاتم بن وردان کی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے تو روایت مرسل ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز ۱۰۱ھ کو اور حاتم ۱۸۴ھ کو فوت ہوئے جب کہ حاتم کے بڑے استاذ ایوب سختیانی ۱۳۱ھ کو فوت ہوئے ہیں۔ (الصارم المنکی ص ۲۳۸)

جواب: یہ ہے کہ اگر اس سے انقطاع ثابت ہو تو بھی حرج نہیں کیوں کہ وہ براہ راست حضرت عمر بن عبدالعزیز سے نقل نہیں کر رہے بلکہ چونکہ حاکم کا کوئی عمل بالخصوص اس قسم کا عمل مخفی نہیں ہوتا مشہور ہوتا ہے جس کے بیان کرنے والے بکثرت ہوتے ہیں تو مشہور عام ہونے کی وجہ سے سنا ہوا یہ عمل انہوں نے روایت کیا، تو یہ مرسل صحیح روایت ہوئی جس کے حجت ہونے میں شبہ نہیں۔

(۲) حضرت یزید بن ابی سعید المقبری (یا المہری) سے روایت ہے کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس آیا وہ اس وقت ملک شام میں خلیفہ تھے جب میں نے الوداع کہا تو فرمایا مجھے تجھ سے کام ہے وہ یہ کہ جب مدینہ طیبہ پہنچ تو نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرے گا تو آپ ﷺ کو میرا اسلام عرض کر دینا" فاقرأہ منی السلام (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۲، بسندہ عن ابن ابی الدنیا قال حدثني یاسحاق بن حاتم المدائني (کتب عنہ ابو حاتم ببغداد و قال الخطیب ثقة کذا فی تعلیقات مصطفی عبد القادر عطا علی کتاب الرضا عن اللہ لابن ابی الدنیا رقم الحدیث ۵) ثنا (محمد بن اسماعیل) ابن ابی فدیک (الحافظ الکبیر محدث المدینة و ثقه غیر واحد کذا فی تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۲) عن (ابی رباح) رباح بن بشیر (او بشر) (قال ابو ھاتم مجھول، لسان المیزان) عن یزید بن ابی سعید و لا باس بجھالة راویة رباح غایة مافیه الضعف و ھو شاھد للاول "حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تابعی بزرگ ہیں ان کا یہ عمل آپ ﷺ کی حیات کے عقیدہ کا اشارہ دیتا ہے کیوں کہ دوسری جگہ موجود ایسے شخص کو سلام بھیجا جاتا ہے جو زندہ ہو کبھی کسی نے کسی مردہ کو سلام نہیں بھیجا، تو حضرت عمر بن عبد العزیز سمجھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور اس طرح میرا اسلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ضرور پہنچے گا کیونکہ اس بھیجے ہوئے شخص کی زبان سے سن لیں گے کہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے سلام بھیجے ہیں ورنہ اس قدر اہتمام کی کیا ضرورت ہے، اور کتب فقہ حنفی میں ہے کہ روضہ مبارکہ پر حاضر ہونے والا شخص اس آدمی کی طرف سے بھی سلام پہنچائے جس نے سلام عرض کرنے کا کہا ہو۔ (نور الایضاح طحاوی وغیرہ)

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اور جس کا سلام کہنا ہو عرض کرے" السلام علیك یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بك الی ربك " یا رسول اللہ! فلاں کے بیٹے فلاں کی طرف سے آپ ﷺ کو سلام ہو وہ آپ ﷺ کے ذریعہ آپ ﷺ کے رب کی طرف شفاعت کا خواہش مند ہے) (زبدۃ المناسک، تالیفات رشیدیہ ص ۶۵۰)

<u>سترہویں روایت:</u> حضرت سلیمان بن تحیم مدنی رحمہ اللہ (جو ثقہ ہیں او خلافت منصور میں وفات پائی) فرماتے ہیں: " رایت النبي في النوم قلت یا رسول اللہ ھؤلاء الذین یاتونك فیسلمون علیك اتفقه سلامهم؟ قال نعم و ارد علیهم (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۷ بحوالہ ابن ابی الدنیا و شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۱) مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ جو لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور سلام عرض کرتے ہیں تو کیا آپ ﷺ ان کا سلام سمجھ لیتے ہیں؟ فرمایا ہاں سمجھتا ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں۔

اس کے راوی (۱) سوید بن سعید بن سہل کی روایت سے مسلم نے حجت لی ہے، علامہ ذہبی الحافظ الرحال المعمر سے ذکر کرتے ہیں، امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حفاظ حدیث میں سے ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں کہ سچا راوی اور بکثرت تدلیس کرنے والا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۲) (یہاں تدلیس کا شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حدثنی سے بیان کر رہے ہیں) امام دارقطنی فرماتے ہیں قوی ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۴۵۸) امام احمد نے صالح یا ثقہ کہا، ابو حاتم کہتے ہیں سچا ہے، تدلیس بہت کرتا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۲) امام بخاری وغیرہ نے ذکر کیا کہ نابینا ہونے کے بعد اس کو تلقین کی جاتی تھی، مگر امام حاکم ابو احمد کہتے ہیں کہ جس سے بینائی کی حالت میں اس نے روایت لی اس سے اس کی حدیث حسن ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۲) تو یہ راوی حسن الحدیث کے درجہ سے کم درجہ نہیں۔

(۲) عبد الرحمن بن ابی الرجال راوی بھی ثقہ راوی ہے، امام ابن معین، احمد، مفضل غلابی اور دارقطنی ثقہ

کہتے ہیں، ابوداؤد لا باس بہ کہتے ہیں ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا اور کہا کبھی غلطی کرتا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۸) اور ابن عدی کہتے ہیں کہ امید ہے کہ لا باس بہ ہے۔ (میزان ج ۲ ص ۵۶۰) محدثین کی ایک جماعت نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۶۰۱) بعض نے جرح کی ہے، مگر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ قول فیصل یہ ہے کہ سچا راوی ہے البتہ کبھی غلطی کرتا ہے (تقریب) تو یہ راوی بھی حسن درجہ کا ہے۔

بے شک یہ خواب ہے مگر شریعت اسلامی میں یہ نہیں ہے کہ خواب سن کر رد کر دیا جائے بلکہ دیکھا جائے اگر خواب موافق شرع ہو تو قبول کیا جائے ورنہ رد کیا جا سکتا ہے، اور یہ خواب بالکل موافق شرع ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث صحیحہ (جو ذکر ہو چکی ہیں) اس کی تائید کرتی ہیں، لہذا خواب کہہ کر رد کرنا ناانصافی ہے، اہل سنت کے نزدیک خواب کی حقیقت ہوتی ہے قدیم معتزلہ کے نزدیک خواب بے حقیقت ہوتا ہے (راہ حق میں ہم نے اس کی تفصیل ذکر کر دی ہے)

<u>بعض دیگر روایات وحکایات جو مزید تائید کرتی ہیں:</u> کئی اور روایات بھی بکثرت ہیں جو اوپر ذکر کی ہوئی احادیث اور ان سے ثابت ہونے والے عقیدہ حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کی تقویت وتائید کا فائدہ پہنچاتی ہیں چاہے سب صحیح نہ ہوں، چونکہ بطور شاہد ان کا ذکر مناسب ہے اس لئے ان میں سے چند یہاں ہم درج کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خطیب بغدادی نے کتاب ''رواۃ مالک'' میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو وصیت کی کہ مجھے نبی کریم ﷺ کی قبر پر لے جانا اور اجازت مانگنا اور کہنا یہ ابوبکر ہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے ساتھ دفن ہونا چاہتے ہیں، تو اگر تمہیں اجازت ملے تو مجھے دفن کر دینا ورنہ مجھے جنت البقیع لے جانا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دروازے پر لایا گیا اور کہا گیا یہ ابوبکر حاضر ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس دفن ہونے کی خواہش کرتے ہیں اور ہمیں وصیت فرمائی ہے، تو اگر ہمیں اجازت ہو تو ہم حجرہ میں داخل کریں ورنہ ہم واپس ہوں، تو آواز دی گئی ادخلوا و کرامۃ عزت کے ساتھ داخل کر لو ہم نے آواز سنی لیکن کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۴۹۲، ۴۹۱ قال الخطیب غریب جدا) بروایت ابن عساکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آواز آئی ''ادخلوا الحبیب الی الحبیب فان الحبیب الی الحبیب مشتاق'' دوست کو دوست کے پاس داخل کر دو کیونکہ دوست دوست کا خواہش مند ہے۔ (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۴۹۲ و قال ابن عساکر حدیث منکر و في اسناده ابو الطاهر موسى بن محمد بن عطاء المقدسي كذاب عن عبد الجليل و هو مجهول، قلت هو شاهد للاول)

(۲) یحییٰ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن عبدالملک بن ماجشون نے بیان کیا کہ خالد بن ولید بن حارث بن حکم بن العاص ابن مطیرہ (حاکم) رسول اللہ ﷺ کے منبر پر جمعہ کے دن کھڑا ہوا، کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جانتے ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خائن ہیں، ان کو عامل بنایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سفارش حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کر دی تھی، حضرت داؤد بن قیس روضہ مبارکہ میں تھے وہ کھڑے ہوئے اور چپ کرانا چاہا تو ان کی قمیص لوگوں نے پھاڑ دی، اس کو تکلیف دی، اور حاکم کی طرف سے ان کی جان کے خطرے سے بٹھا دیا، داؤد نے بتایا کہ میں نے دیکھا کہ قبر نبوی سے ہاتھ ظاہر ہوا، اور آپ ﷺ فرما رہے تھے اے اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ بولا، اے ناشکرے! تو نے جھوٹ بولا، کئی بار فرمایا۔ (وفاء الوفا ج ۴ ص ۱۸۲)

(۳) (۱) حضرت ابراہیم بن بشار کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا اور پھر مدینہ طیبہ حاضر ہوا رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو میں نے حجرے کے اندر سے سنا و علیک السلام سلام کا جواب سنا

اولیاء اور صالحین کی ایک جماعت سے منقول ہے (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۷۹۱، فیض القدیر شرح جامع صغیر ج ۲ ص ۶۱۷، القول البدیع ۱۶۵ نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۲) (۲) سید نورالدین بن العفیف الایجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت السلام علیك ایها النبي ورحمة الله وبركاته عرض کیا تھا تو اس کا جواب قبر شریف کے اندر سے سنا تھا وعلیك السلام یا ولدی (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۲، ۵۰۳، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۶۱ بحوالہ معجم الشیخ برہان الدین البقاعی) (۳) شیخ ابونصر عبدالواحد بن عبدالملک صوفی کرخی فرماتے ہیں کہ میں نے حج کیا اور نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو میں حجرہ کے پاس حاضر تھا کہ حضرت ابوبکر الدیار بکری آئے اور آپ ﷺ کے حجرہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور عرض کیا السلام علیك یا رسول الله تو میں نے بھی اور دوسرے حاضرین نے بھی حجرہ کے اندر سے آواز سنی وعلیك السلام یا ابابکر (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۶۱ بحوالہ تاریخ ابن نجار) (۴) صرف کی کئی کتابوں کے مصنف مولانا مشتاق احمد چرتھاولی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ طیبہ میں سنا کہ ایک ہندی شخص کو روضہ مبارکہ سے باواز بلند سلام کا جواب بایں الفاظ ملا وعلیك السلام یا ولدی انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ ہندی شخص حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے معلوم کیا تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ کی تصدیق کی (الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر) (۵) حضرت خواجہ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اپنے نانا کی برکات کو سمیٹنا شروع کیا زیارت روضہ سید المرسلین کے بعد واپسی کا قصد کیا، اجازت کے لئے روضہ انور پر حاضر ہوئے لیکن ایک عجیب وغریب واقعہ حضرت شیخ اور آپ کے رفقاء نے مشاہدہ کیا، مرقد اطہر سے دو دست مبارک ظاہر ہوئے حضرت شیخ نے بہزار شوق آگے بڑھ کر مصافحہ کیا بوسہ دیا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی مکمل ص ۱۷۳، ۱۷۴)

(۴) امام القشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے بروایت ابن ابی الدنیا بیان کرتے ہیں (راوی حسن بن عبدالعزیز حارث بن سلیمان ابن وھب) کہ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ ابوحازم نے مجھے بیان کیا کہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور مجھے بتایا کہ میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی آپ ابوحازم سے (یعنی مجھے) فرمارہے تھے کہ: انت المار بي معرضاً لا تقف تسلم علي (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۲۱۹، المنامات لابن ابی الدنیا رقم ۳۲۳) تو میرے پاس سے منہ موڑ کر گزر جاتا ہے اور مجھے سلام کرنے کے لئے بھی نہیں ٹھہرتا؟ اس کے بعد ابوحازم نے کبھی گزرتے ہوئے سلام عرض کرنا نہیں چھوڑا۔

(۵) ابوالخیر اقطع کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ اس حال میں آیا کہ میں فاقہ سے تھا تو پانچ دن اس حال میں رہا کہ کچھ نہ چکھا تو قبر شریف کے پاس حاضر ہوا، اور آپ ﷺ کو اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سلام عرض کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں آج رات آپ ﷺ کا مہمان ہوں، پھر قبر شریف سے ایک طرف ہوا اور منبر کے پیچھے سو گیا، تو میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دائیں جانب اور عمر بائیں جانب تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے تھے مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہلایا کہ کھڑے ہو جاؤ رسول اللہ ﷺ تشریف لارہے ہیں، میں کھڑا ہوا رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا آپ ﷺ نے مجھے ایک روٹی دی میں نے آدھی کھائی تھی کہ جاگ اٹھا تو آدھی میری ہاتھ میں موجود تھی۔ (القول البدیع ص ۱۶۶)

(۶) امام ابوصادق (محمد باقر) کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن کے تین دن بعد

ایک دیہاتی آیا وہ قبر نبوی پر اپنے کو ڈال رہا تھا اور سر پر مٹی ڈالتا تھا، عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا اور ہم نے آپ ﷺ کا فرمان سنا اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی کلام محفوظ کی، اور جو وحی آپ ﷺ پر اتری اس میں ہے و لو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله الاية اور میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ آپ ﷺ میرے لئے استغفار فرمائیں تو قبر کے اندر سے آواز آئی تیری مغفرت ہوگئی (وفاء الوفاء ج ۳ ص ۱۸۶ رواه ابو الحسن علی بن ابراهيم بن عبدالله الكرخي عن علي بن محمد بن علي قال حدثنا احمد بن محمد بن الهيثم الطائي قال حدثني ابي عن ابيه عن سلمة بن كهيل عن ابي صادق، الحاوي ج ۲ ص ۲۶۱ بحواله كتاب الدلائل ابن السمعاني بسنده)

حیات انبیاء علیہم السلام کی احادیث متواتر ہیں: اوپر بکثرت احادیث ذکر ہوئیں جن سے حضرات انبیاء علیہم السلام کا قبور مبارکہ میں زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے یہ مضمون صحابہ تابعین رضی اللہ عنہم سے متعدد روایات سے منقول ہے، ان روایات کے متواتر بتواتر قدر مشترک یا بتواتر معنوی ہونے میں شک نہیں ہے، اور دس راویوں سے جو مضمون مروی ہو وہ متواتر ہوتا ہے (بیان القرآن ج ۱ ص ۲۲) جب کہ یہ مضمون دس سے اوپر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس لئے علماء نے تصریح کی ہے کہ حیات انبیاء کی احادیث متواتر ہیں۔

(۱) امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حياة النبي ﷺ في قبره هو وسائر الانبياء معلومة عندنا علما قطعيا لما قام عندنا من الادلة في ذالك وتواترت به الاخبار“ (رسالہ انباء الاذکیا ص امندرج فی الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۷) الاذکی آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں حیات اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی حیات ہمارے علم میں علم قطعی کے ساتھ معلوم ہوئی ہے کیونکہ بہت سے دلائل اس پر قائم ہیں اور اس کی احادیث متواتر ہیں۔

(۲) علامہ داؤد بن سلیمان بغدادی نے بھی متواتر کہنے میں امام سیوطی رحمہ اللہ کی تائید کی ہے۔
(المنحۃ الوہبیہ ص ۱۱ طبع استنبول بحوالہ تسکین الصدور ص ۲۴۳)

(۳) مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غرض یہ کہ انبیاء کرام کی حیات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ احادیث متواترہ سے انبیاء کرام کی جو حیات ثابت ہے وہ حیات فی القبور ہے نہ کہ حیات فی السموات (سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۳۵۲) اب دعوی تواتر میں امام سیوطی رحمہ اللہ اکیلے نہیں ہیں اور اجماع کی تصریحات اس کے علاوہ ہیں۔

تیسرا باب: ...... اکابرین امت اور عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام

اس بارے میں حضرات اکابرین کی عبارات بہت زیادہ ہیں یہاں چند اکابرین کی اور خصوصاً ایسے اکابرین کی عبارات پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کی عبارات قطع و برید کر کے مماتی پیش کرتے ہیں۔ یا جن کو ماننے کا اظہار کرتے ہیں، اُن کے علاوہ علماء کی عبارات بھی ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ: (۱) حضرت علامہ احمد بن علی ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں: ”ان حياته في القبر لا يتعقبها موت بل يستمر حيا و الانبياء احياء في قبورهم“ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۷ طبع دار الفکر) آپ ﷺ کی قبر مبارک کی حیات ایسی ہے کہ اس پر موت نہیں آئے گی بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور ایک حدیث کی توجیہ میں فرماتے ہیں: ”انه يستغرق في امور الملأ الأعلى فاذا سلم عليه رجع

الیہ فھمہ لیجیب من سلّم علیہ" (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹) آپ ﷺ ملاء اعلیٰ کے امور (کے مشاہدات) میں مستغرق رہتے ہیں تو جب کوئی آپ ﷺ پر سلام عرض کرتا ہے تو آپ ﷺ کی فہم آپ ﷺ کی طرف لوٹا دی جاتی ہے تاکہ آپ ﷺ سلام کرنے والے کا جواب دیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ: (۲) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

"حیاۃ النبي في قبرہ ھو و سائر الانبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الادلۃ في ذالك و تواترت بہ الأخبار" (رسالہ انباء الاذکیاء مندرج فی الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۷) آپ ﷺ کی اپنی قبر مبارک میں حیات اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی حیات ہمارے علم میں علم قطعی کے ساتھ معلوم ہوئی ہے کیونکہ بہت سے دلائل اس پر قائم ہیں اور اس کی احادیث متواتر ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مستقل رسالہ انباء الاذکیا تحریر کیا ہے جو ان کے فتاوی الحاوی میں درج ہے مذکورہ عبارت اسی رسالہ کے ابتدائی الفاظ ہیں۔

امام احمد بیہقی رحمہ اللہ: (۳) حضرت امام احمد بن حسین بیہقی شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

"وقد رای نبینا جماعۃ منھم لیلۃ المعراج وامر بالصلاۃ علیہ والسلام علیہ واخبر وخبرہ صدق ان صلاتنا معروضۃ علیہ وان سلامنا یبلغہ وان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیا وقد افردنا لاثبات حیاتھم کتابا" (الاعتقاد ص ۱۸۷، ۱۸۸ باب القول فی اثبات نبوۃ محمد المصطفیٰ طبع مصر)

حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی روحیں ان کی طرف لوٹا دی گئی (یعنی ان کی روحوں کا تعلق دوبارہ ان سے قائم کر دیا گیا ہے) تو وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں جیسے شہداء (بلکہ ان سے بھی بڑھ کر زندگی ہے) اور ہمارے نبی نے انبیاء کی ایک جماعت کو معراج کی رات دیکھا، اور آپ نے درود و سلام کا حکم فرمایا اور یہ بتایا اور آپ کی خبر بھی ہے کہ ہمارا درود آپ ﷺ پر پیش ہوتا ہے اور سلام آپ ﷺ تک پہنچتا ہے، اور اللہ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے اور اس موضوع پر ہم نے مستقل کتاب لکھی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ کا مستقل رسالہ جزء حیات الانبیاء اور امام سیوطی کا انباء الاذکیا وغیرہ ایک کتابچہ کی شکل میں ادارۃ المعارف الاسلامیہ سیالکوٹ نے ۱۹۶۶ء کو شائع کیا تھا۔

مولانا عبدالقادر فاکہی رحمہ اللہ: (۴) مولانا عبدالقادر فاکہی مکی شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں: "ملاحظا انہ حیی کسائر الانبیاء في قبرہ یراہ ویجب لہ من الاحترام مالہ قبل موتہ ومنہ عدم رفع الصوت بحضرتہ حتی قیل ان من انتھك شیئاً من حرمتہ ولو برفع الصوت حبط عملہ ولذا قالوا الادب للمسلم والداعی والمستشفع الاقتصار في صوتہ فانہ یسمعہ وان اسر ویراہ وان بعد" (حسن التوسل برہامش خلاصۃ الوفا ص ۱۱۳ طبع مکہ مکرمہ) زیارت کرنے والا یہ تصور کرے کہ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح باقی انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور سمجھے کہ آپ ﷺ مجھے دیکھ رہے ہیں اور آپ ﷺ کا وہی احترام ضروری ہے جو وفات سے پہلے تھا، اور آداب میں سے ہے کہ آواز اونچی نہ کرے یہاں تک کہ کہا گیا کہ جس نے آپ ﷺ کی کچھ بھی بے ادبی کی اگرچہ آواز اونچی کر کے تو بھی اس کے اعمال تباہ ہو جائیں گے اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ سلام و دعا اور شفاعت کی درخواست کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ آواز نیچی کرے کیونکہ آپ ﷺ سنتے ہیں چاہے (ذرا) آہستہ کہے اور (نزدیک سے) دیکھتے ہیں چاہے (کچھ) دور ہو۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ: (۵) علامہ ظفر احمد عثمانی حنفی دیوبندی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں:

فان روحه الشريف مشتغل بشهود الحضرة والملأ الأعلى عن هذا العالم فاذا سلم عليه اقبل روحه على هذا العالم لتدرك السلام ويرد على المسلم قاله السبكي" (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۱۲) آپ ﷺ کی روح مبارک اس عالم کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حاضری اور ملا اعلیٰ کے مشاہدہ میں مصروف ہوتی ہے جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو روح اس عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے تاکہ سلام حاصل کرے اور آپ ﷺ سلام کرنے والے کو جواب دیں۔

"وسياتي ما يدل على انه يسمع من يسلم عليه عند قبره ويرد عليه عالما بحضوره (ج ۷ ص ۳۶۱۴)" عنقریب ذکر ہونے والا ہے جو دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ اس کا سلام سنتے ہیں جو قبر کے پاس سلام عرض کرے، اور جواب بھی دیتے ہیں، اور آدمی کے حاضر ہونے کو جانتے ہیں۔"

"واذا كان من جاء قبره كمن جاء رسول الله فاى مؤمن يرضى نفسه بان لا يجئى رسول الله وهو يقدر على ذالک ولو يبذل النفس والروح؟ ومن الذى يمنع من شد الرحال لاجل ذالک؟ وهو يعلم ان رسول الله حى فى قبره وما جاء قبره فقد جاء رسول الله وانما ينكر ذالک من انكر حياته فى قبره ولم يفرغ معه قول ابى ايوب جئت رسول الله ولم آت الحجر او كان فؤاده فارغا من حبه وعقله خاليا من لبه واما المجنون فلا تسئل عنهم فوالله انهم لا ياتون القبر وانما ياتون رسول الله الخ" (اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶۲۳) جب بات یہ ہے کہ جو قبر مبارک پر آیا وہ رسول اللہ کی ذات کے پاس آیا تو کون مؤمن ہے جو پسند کرے کہ وہ جان و روح خرچ کر کے اگر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو سکے تو حاضر نہ ہو؟ اور کون ہے جو اس کی خاطر سفر کرنے سے رکے گا؟ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ رسول اللہ قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور یہ کہ جو قبر پر حاضر ہوا وہ رسول اللہ کے پاس حاضر ہوا، اور اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو قبر میں حیات النبی کا منکر ہو، اور اپنے کانوں میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا قول نہ بٹھا سکے کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کوئی پتھر کے پاس حاضر نہیں ہوا ہوں، یا اس کا دل آپ کی محبت سے اور دماغ عقل سے خالی ہوگا، اور جو آپ کا دیوانہ ہوا اس کا تو نہ پوچھ، اللہ کی قسم وہ تو قبر پر حاضر نہ ہو رہا ہوگا بلکہ رسول اللہ کی ذات کے پاس حاضر ہو رہا ہوگا۔

اللہ اکبر! حضرت مولانا ظفر احمد رحمہ اللہ کے یہ الفاظ کتنے درد دل و عشق نبوت سے بھرپور ہیں؟ اور مماتیوں کے لئے سیف قاطع سے کم نہیں ہیں۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ: (۶) علامہ ابوالفرج ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) آیت "فصعق من فى السموات ومن فى الارض الا من شاء الله" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ شہداء مستثنیٰ ہیں اور "وهذا يدل على ان للشهداء حياة يشر كون فيها الاحياء وقد قيل فى الانبياء مثل ذالک ايضاً۔ ولان حياة الانبياء اكمل من حياة الشهداء بلا ريب فشملهم حكم الاحياء ايضاً ويصعقون مع الاحياء حينئذ لكن صعقة غشى لا صعقة موت" (احوال القبور واحوال اهلها الى النشور ص ۲۰۶ طدار الکتاب العربی بیروت سن طباعت ۱۹۹۴ء، ۱۴۱۴ھ)

یہ بات دلالت کرتی ہے کہ شہداء کو اتنی زندگی حاصل ہے کہ وہ (صعقہ کے موقع پر) اس کیفیت میں زندوں کے ساتھ شریک ہوں گے اور یہی قول انبیاء علیہم السلام کے متعلق بھی کہا گیا ہے۔ کیونکہ بلاشک انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ کامل ہے تو انبیاء کو بھی زندوں والا حکم شامل ہوگا، اور وہ صعقہ کے وقت بے ہوش ہوں گے لیکن یہ بے ہوشی غشی کی سی ہوگی موت والی نہ ہوگی۔"

اور فرماتے ہیں: "بعض اهل البرزخ يكرمه الله باعماله الصالحة عليه في البرزخ وان لم يكن له ثواب تلك الاعمال لانقطاع عمله بالموت لكن انما يبقى عمله عليه ليتنعم بذكر الله و طاعته كما يتنعم بذالك الملائكة و اهل الجنة وان لم يكن لهم على ذالك ثواب لان نفس الذكر و الطاعة اعظم نعيما عند اهلها من نعيم جميع اهل الدنيا و لذاتها فما تنعم المتنعمون بمثل ذكر الله و طاعته" (احوال القبور ص ۶۸، ۶۹)

کئی برزخ والوں کا اللہ تعالیٰ اس طرح اکرام کرتے ہیں کہ ان کو اعمال صالحہ کی اجازت ہوتی ہے اگرچہ ان اعمال کا ان کو ثواب نہیں ہوتا کیونکہ موت سے عمل (کا ثواب) ختم ہو گیا لیکن ان کا یہ عمل اس لئے رہتا ہے تاکہ طاعت اور ذکر اللہ سے لطف اندوز ہوں جیسے فرشتے اور جنت والے جنت میں اسے لطف اندوز ہوں گے اگرچہ انہیں ثواب نہیں ہوگا کیونکہ بذات خود ذکر و طاعت بھی اہل لوگوں کے ہاں دنیا کی ساری نعمتوں ولذتوں سے بڑھ کر بہت بڑی لطف کی باعث ہوتی ہے، اور ذکر اللہ و طاعت جیسی چیز سے لطف اندوز ہونے والوں کو خوب لطف حاصل ہوتا ہے۔"

پھر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تحت لطف اندوز ہونے کے کئی اعمال ذکر کئے مثلاً قبر میں قرآن مجید پڑھنا، اور نماز پڑھنا، اذان کا جواب دینا وغیرہ (مذکورہ کتاب ملاحظہ کریں) تو انبیاء علیہم السلام کا قبروں میں نماز پڑھنا بطریق اولیٰ ہے۔

اور فرماتے ہیں: و اما السلام على اهل القبور فلايدل على استقرار ارواحهم على افنية قبورهم فانه يسلم على قبور الانبياء والشهداء وارواحهم في اعلى عليين ولكن مع ذالك لها اتصال سريع في الجسد ولا يعلم كنه ذالك و كيفيته على الحقيقة الا الله عز و جل (احوال القبور ص ۱۹۰، ۱۹۱) اور اہل قبور کو سلام کرنا اس بات کی دلیل نہیں بنتا کہ ان کی روحیں قبروں کے آس پاس ہیں کیونکہ سلام تو انبیاء اور شہداء علیہم السلام کی قبروں پر بھی عرض کیا جاتا ہے حالانکہ ان کی روحیں اعلیٰ علیین میں ہیں ہاں لیکن روح کا جسم کے ساتھ تیز تر تعلق ہے جس کی کنہ و کیفیت کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اور علامہ نے اس پر مستقل باب باندھا ہے کہ مردے زیارت کرنے والے اور سلام کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور ذکر فرمایا کہ روح و جسم دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔ (احوال القبور ص ۱۴۰، ۱۴۱)

یاد رہے کہ یہ ابن رجب وہی ہیں جن کے قول سے مولوی امیر عبداللہ نے (اعلان حق ص ۷۴ میں) اور ڈاکٹر عثمانی نے (ایمان خالص ص ۲۸ میں) سند پکڑی ہے اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کا پورا عقیدہ قارئین کے سامنے لایا جائے۔

<u>علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ</u>: (۷) حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: "ورد في كثير من الاحاديث الصحيحة الصريحة بانهم أحياء في قبورهم مشغولون بعبادة ربهم وقد افرد السيوطي رسالة في هذا الباب" (الحرز الثمین شرح حصن حصین ص ۷۷۴)

بکثرت احادیث صحیحہ صریحہ اس بارے میں وارد ہوئی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہیں اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس بارے میں مستقل رسالہ تحریر کیا ہے۔

"مع ان المعتقد انه و سائر الانبياء عليهم السلام في قبورهم من الاحياء فانهم اولى بذالك من الشهداء" (شرح شفاء ج ۳ ص ۵۱۴ طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان) جب کہ یہ بھی عقیدہ ہے کہ آپ اور سب انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں کیونکہ وہ تو شہداء سے بڑھ کر زندگی کے لائق ہیں۔"

"فای مانع من التردد علی بابه والتوسل الی جنابه ﷺ انه قد ثبت من صلی علیه نائیا بلغه و من صلی علیه عند قبره سمعه" (شرح شفاء ج ۳ ص ۵۲۳) آپ ﷺ کے دروازے پر بار بار حاضری اور ذات اقدس کے وسیلہ سے کون سی چیز مانع ہے جب کہ یہ ثابت ہے کہ جو آپ ﷺ پر دور سے درود شریف پڑھے وہ آپ کے پاس پہنچایا جاتا ہے اور جو قبر مبارک کے پاس پڑھے وہ آپ سنتے ہیں۔"

علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ: (۸) علامہ حافظ ابن القیم جوزی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں: "هذا مع القطع بان روحه الكريمة في الرفيق الاعلى في اعلى عليين مع ارواح الانبياء وقد صح عنه انه رای موسی قائما یصلی فی قبره لیلة الاسراء ورآه فی السماء السادسة والسابعة فالروح كانت هناك ولها اتصال بالبدن في القبر واشراق عليه وتعلق به بحيث يصلى في قبره ويرد سلام من سلم وهي في الرفيق الاعلى ولا تنافي بين الامرين فان شان الارواح غير شان الابدان" (الروح ص ۶۴ ط دار الکتب العلمیہ بیروت) یہ بات یقینی ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارکہ اعلی علیین میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے جب کہ آپ ﷺ سے یہ حدیث بھی صحیح ثابت ہے کہ معراج کی رات آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے اور ان کو چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا تو بات یہ ہے کہ روح تو وہیں ہے لیکن اس کا قبر شریف میں بدن مبارک سے تعلق ہے اور اس پر روح کا پرتو (عکس) ہے اور اس طرح کا تعلق ہے کہ قبر مبارک میں آپ ﷺ نماز بھی پڑھتے ہیں اور سلام عرض کرنے والے کو سلام کا جواب بھی دیتے ہیں جب کہ روح تو رفیق اعلیٰ میں ہے، اور ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ روحوں کا معاملہ جسموں کے معاملہ سے الگ ہے۔

کتاب الروح علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی لکھی ہوئی کتاب ہے: مولانا امیر عبداللہ صاحب نے کتاب الروح کے متعلق کہا ہے کہ حقیقت میں ابن القیم کی نہیں ہے۔ (اعلان حق ص ۱۶)

جان کی خلاصی کا یہ آسان نسخہ ہے جس کو مماتیوں نے بہت جگہ استعمال کیا اور یوں گویا جان چھوٹ گئی، لیکن یہ ان کا بھولا پن ہے اس سے جان نہیں چھوٹتی علامہ سیوطی (شرح الصدور ص ۲۷۲) علامہ محمود آلوسی (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۵، ۱۶۳) علامہ ابن عابدین شامی (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۲ طبع مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ، مجموعہ رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۱۷۵ طبع مکتبہ محمودیہ کوئٹہ) علامہ عبدالحی لکھنوی (تذکرۃ الراشد ص ۲۶۷ طبع لکھنو) الشیخ عبدالرزاق المہدی (مقدمہ زاد المعاد ج ۱ ص ۷) علامہ محمد بن احمد بن سالم سفارینی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (شرح ثلاثیات المسند الامام احمد ج ۱ ص ۵۸۴، ۶۷۰، ۷۳۴) علامہ انور شاہ کشمیری (تحیۃ الاسلام ص ۱۲۷ طبع مجلس علمی ڈابھیل) علامہ محمد ادریس کاندھلوی (التعلیق الصبیح ص ۱۶۷ ج ۱) اور مولانا نور الحسن شاہ بخاری (حیات الاموات ۸۹، ۹۰) وغیرہم رحمہم اللہ حضرات علماء نے کتاب الروح کو علامہ ابن القیم کی کتاب کہا ہے۔

اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وبعد وفاته استقرت في الرفيق الأعلى مع ارواح الانبياء عليهم الصلاة والسلام ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه" (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد جلد اجز ۲ ص ۲۷۴ وحیدی کتب خانہ پشاور) وفات کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارک دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں موجود ہے لیکن اس کے ساتھ اس کا جسم اطہر پر اس طرح کا پرتو اور شعاع اور تعلق ہے جس سے سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

علامہ احمد خفاجی حنفی رحمۃ اللہ علیہ: (۹) علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں:

"من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي لانه حي في قبره يدري بمن يزوره ويرد سلامه" (نسیم الریاض ج۳ ص۵۱۲ طبع تالیفات اشرفیہ م۔ن) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی ایسا سمجھے کہ میری زندگی میں میری زیارت کی کیونکہ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زیارت کرنے والے کو جان لیتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔" وفيه دليل على انه حي حياة مستمرة لان الكون لا يخلو من مسلم يسلم عليه في كل لحظة وقد ثبت بالاحاديث الصحيحة انه وسائر الانبياء احياء حياة حقيقة كالشهداء وان كان حال البرزخ لايقاس على حال الدنيا" (نسیم الریاض ج۳ ص۴۹۹) اس حدیث میں دلیل ہے کہ آپ ﷺ دائمی حیات کے ساتھ (قبر مبارک میں) زندہ ہیں کیونکہ دنیا کا ہر لمحہ کسی سلام کرنے والے سے خالی نہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اور سب انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح (بلکہ اُن سے بڑھ کر حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اگرچہ برزخ کا حال دنیا کے حال پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔" وبما تقرر في هذه الاحاديث علم انه تبلغه الصلوة والسلام عليه اذا صدرا من بعيد ويسمعهما اذا كانا عند قبره الشريف بلاواسطة سواء ليلة الجمعة وغيرها" (نسیم الریاض ج۳ ص۵۰۳) گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ جب درود و سلام دور سے پڑھا جائے آپ ﷺ تک پہنچتا ہے، اور جب قبر شریف کے پاس پڑھا جائے تو آپ ﷺ بلاواسطہ سنتے ہیں چاہے جمعہ کی رات ہو یا کوئی اور وقت۔

<u>علامہ محمد سخاوی رحمۃ اللہ علیہ</u>: (۱۰) علامہ محمد بن عبد الرحمن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں: يؤخذ من هذه الاحاديث انه حي على الدوام وذالك لانه محال عادة ان يخلو الوجود كله من واحد يسلم عليه في ليل ونهار ونحن نؤمن ونصدق بانه حي يرزق في قبره وان جسده الشريف لا تأكله الأرض والاجماع على هذا (القول البدیع ص۱۷۲) ان احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ دائماً زندہ ہیں کیونکہ یہ محال ہے کہ دنیا رات دن کے کسی وقت میں آپ ﷺ پر سلام پڑھنے والے سے خالی ہو اور یہ حدیثیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو ان احادیث سے آپ ﷺ کا ہمیشہ زندہ ہونا ثابت ہے) اور اس پر ہمارا ایمان ہے اور تصدیق کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو رزق ملتا ہے اور آپ ﷺ کے جسم اطہر کو زمین نہیں کھاتی اور اس پر اجماع ہے۔

<u>علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ</u>: (۱۱) علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں: "والمراد بتلك الحياة نوع من الحياة غير معقول لنا وهي فوق حياة الشهداء بكثير وحياة نبينا اكمل واتم من حياة سائرهم عليهم السلام۔۔۔ ثم ان تلك الحياة في القبر وان كانت يترتب عليها بعض مايترتب على الحياة في الدنيا المعروفة لنا من الصلاة والاذان والاقامة ورد السلام المسموع ونحو ذالك الا انها لا يترتب عليها كل ما يمكن ان يترتب على تلك الحياة المعروفة ولا يحس بها ولا يدركها كل احد فلو فرض انكشاف قبر نبي من الانبياء عليهم السلام لا يرى الناس النبي فيه الا كما يرون سائر الاموات الذين لم تاكل الارض اجسادهم" (روح المعانی ج۲۲ ص۳۸) انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی سے مراد خاص زندگی ہے جو ہماری سمجھ میں نہ آنے والی ہے اور وہ شہداء کی زندگی سے بہت درجے بڑھ کر ہے، اور نبی کریم کی زندگی سب انبیاء علیہم السلام کی زندگی سے اتم واکمل ہے۔ پھر قبر کی اس زندگی پر اگرچہ بعض وہ احکام مرتب ہیں جو ہماری دنیا والی زندگی کے مشہور احکام ہیں یعنی نماز، اذان، اقامت، سلام سن کر اس کا جواب دینا وغیرہ (کہ یہ سب نبی علیہ السلام کے لئے ثابت ہے)

مگر ایسا نہیں کہ جو بھی حکم دنیا والی زندگی پر لاگو ہوتا ہے ایسا ہر حکم اس زندگی پر لاگو ہوتا ہو، اور نہ اس زندگی کو محسوس کیا جاسکتا ہے نہ کوئی معلوم کرسکتا ہے کیونکہ اگر بالفرض کسی نبی کی قبر کھل بھی جائے تو بھی لوگ نبی کو ویسا دیکھیں گے جیسا ان عام مردوں کو دیکھیں جن کے جسموں کو زمین نے نہ کھایا ہو۔

علامہ علی خازن رحمۃ اللہ علیہ: (۱۲) علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۴۱ھ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث ذکر فرما کر فرماتے ہیں: ''واما صلاۃ الانبیاء وهم في الآخرة فهم في حكم الشهداء بل افضل منهم وقد قال الله سبحانه و تعالى ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله اموا تا بل احياء فالانبياء احياء بعد الموت واما حكم صلاتهم فيحتمل انها الذكر والدعاء وذالك من اعمال الآخرة فان الله تعالى قال دعواهم فيها سبحانك اللهم الخ!'' (تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۱۲ طبع مطبعۃ التقدم العلمیۃ مصر ۱۳۳۲ھ) رہی انبیاء علیہم السلام کی آخرت میں رہ کر نماز تو بات یہ ہے کہ وہ شہداء کے حکم میں ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں، اور شہداء کے حق میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردے خیال بھی نہ کرو بلکہ زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام بھی وفات کے بعد زندہ ہیں، اور ان کی نماز کا حکم یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ ذکر و دعاء کی قسم سے ہو، اور یہ آخرت کے اعمال میں سے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت میں ان کی دعاء سبحانک اللھم ہوگی، اور تسبیح پڑھیں گے۔

مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ: (۱۳) حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۸۵ھ) فرماتے ہیں: ''اہل جنت کی حیات اور دائمی عبادت و ذکر حدیث سے ثابت ہے، حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی وفات کے بعد بھی عبادت اور نیک اعمال سے معطل نہیں رہتے بلکہ دوسروں کی درود بھی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے، ان کے جسموں کو زمین نقصان نہیں پہنچاتی، اور ان کو رزق بھی ملتا ہے، جملہ صفات حیات کی صفات ہیں، اس لئے ان کی حیات اور عبادت اس عالم میں بھی اہل جنت کی حیات اور عبادت کی شان رکھتی ہے (اور فرماتے ہیں) جو لوگ خود حاضر ہو کر آپ ﷺ پر درود و سلام پیش کرتے ہیں وہ تو آپ ﷺ بنفس نفیس سنتے ہیں اور جو دور سے درود و سلام پڑھتے ہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے معین فرما دیئے ہیں وہ اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں، یہی طریقہ دنیا میں ہے، اپنی موجودگی میں سلام کی سنت خود ادا کرتے ہیں اور غائب ہو کر کسی دوسرے شخص کی معرفت اپنا سلام بھیجتے ہیں، چونکہ وفات کے بعد یہ طریقہ قائم نہیں رہ سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس خدمت کے لئے یہاں ملائکۃ اللہ مقرر فرما دیئے ہیں جو اس خدمت کو انجام دیتے ہیں، اگر انبیاء علیہم السلام میں آثار حیات نہیں تو پھر یہ کس لئے ہوتا ہے؟ اور اگر یہاں حضور و غیبت کا کچھ فرق نہیں تو پھر فرشتوں کا یہ تقرر کس لئے ہے؟ اس لئے نہ یہ صحیح ہے کہ ان کی حیات کو عام لوگوں کی حیات کے برابر سمجھا جائے اور نہ اس کو بڑھاتے بڑھاتے اتنے مبالغہ کی ضرورت ہے کہ العیاذ باللہ حاضر و ناظر کی صفت ان کے لئے ثابت کر دی جائے۔''

(ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۰۱، ۳۰۲ طبع دارالاشاعت کراچی)

مولانا نواب قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ: (۱۴) مولانا نواب قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۷۹ھ) شاگرد رشید حضرت مولانا محمد اسحاق محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے نہ کہ حیات معنوی روحانی جیسی کہ شہداء کو ہے۔'' (مظاہر حق طبع نولکشور ص ۴۷۳)

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ: (۱۵) حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں: ''ان النبی حی فی قبرہ ولذالک لم یورث ولم ینتم ازواجہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ الخ'' (التفسیر المظہری ج ۷ ص ۳۷۳) نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں، اس لئے آپ ﷺ کی وراثت نہیں چلی اور آپ کی ازواج بیوہ نہیں ہوئیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مجھ پر درود شریف پڑھا میری قبر کے پاس میں اس کو سنوں گا اور جس نے مجھ پر دور سے درود شریف پڑھا وہ مجھ کو پہنچایا جائے گا۔''

اور حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مستقل عنوان قائم کیا ہے ''باب در بیان آنکہ انبیاء واولیاء در قبور خود بنماز وذکر خدا مشغول وحظ ذ باشند الخ'' (تذکرۃ الموتی والقبور ص ۲۴) یعنی باب اس بیان میں کہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز اور ذکر الٰہی میں مشغول اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ: (۱۶) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں: ''اگر نظر کو اور وسیع کیا جائے تو حضور ﷺ کے لئے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع ہیں دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور ﷺ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی اور حدیثوں میں صلاۃ وسلام کا سماع وارد ہوا ہے۔''

(مواعظ میلاد النبی ﷺ ص ۷۳ وعظ الظہور طبع مکتبہ اشرفیہ لاہور، ص ۱۳ طبع تالیفات اشرفیہ ملتان سن اشاعت ۱۴۳۰ھ)

اور فرماتے ہیں: ''امام مالک کا قول ہے ''یکرہ قول الرجل زرت قبر النبی'' یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات کہنی مکروہ ہے کہ میں نے قبر شریف کی زیارت کی۔'' امام مالک کا یہ قول اول تو ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو ان کا یہ مطلب نہیں جو تم کہتے ہو۔ بلکہ ان کا مطلب تو یہ ہے کہ چونکہ حضور ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں اس لئے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا چاہیئے کہ میں نے قبر کی زیارت کی کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں (اس نے گویا حضور ﷺ کی زیارت کی) غرض دنیا میں ایسے خشک مزاق بھی موجود ہیں جن کو زیارت قبر کا خود تو کیا شوق ہوتا اس کو حرام کرکے دوسروں کو بھی روکنا چاہتے ہیں مگر جو زیارت کر چکے ہیں ان سے پوچھو کس قدر برکات حاصل ہوتے ہیں، بس اب میں بیان کو ایک واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارت قبر شریف کے برکات اور حضور ﷺ کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا۔

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب مزار شریف پر حاضر ہوئے عرض کیا السلام علیك یا جدی جواب مسموع ہوا (سنائی دیا) وعلیك السلام یا ولدی اس پر وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها تقبل الارض عنی وهی نائبتی
فهذه دولة الاشباه قد حضرت فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے۔ (اشرف الجواب ص ۱۴۹ بحوالہ وعظ شکر النعمۃ بذکر الرحمۃ)

اور فرماتے ہیں: ''حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود یعنی جسد مع متلبس الروح (روح کے جسم کے ساتھ تعلق کے ساتھ) اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ الخ!'' (اشرف الجواب ص ۲۳۵، ۲۳۶ طبع تالیفات اشرفیہ، خطبات میلاد النبی ص ۲۷۳)

<u>حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ</u>: (۱۷) حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پہلے نقل ہو چکی ہے کہ آیت ''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم'' سے بھی علماء نے قبر نبوی کی زیارت کا استحباب ثابت کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں وفات کے بعد زندہ ہیں جیسا کہ حدیث ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں اس کو امام بیہقی نے صحیح کہا ہے اور اس پر ایک جزء کتاب لکھی ہے اور ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متکلمین علماء سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں، اور جب آپ ﷺ زندہ ہیں تو وفات کے بعد آپ ﷺ کے پاس آنے والا وفات سے پہلے آنے والے کی طرح ہے۔ الخ!

(اوجز المسالک ج ۲ ص ۲۶۲ طبع ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان)

اس بارے میں حضرت شیخ الحدیث نے اپنی محبوب کتاب فضائل درود شریف میں جتنا وضاحت سے لکھا ہے اس سے زیادہ اس مسئلہ کی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں رہتی اس وجہ سے یہ کتاب مماتیوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، اس میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس روایت میں حضور اقدس ﷺ خود سننے میں کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔'' (مجموعہ فضائل اعمال میں مندرج فضائل درود شریف ص ۲۱ طبع دار الاشاعت کراچی)

<u>علامہ حسن شرنبلالی حنفی رحمۃ اللہ علیہ</u>: (۱۸) علامہ شیخ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی (متوفی ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں: ''ولما هو مقرر عند الحققين انه حی یرزق متمتع بجميع الملاذ و العبادات غير انه احجب عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات'' (نور الایضاح ص ۱۸۷ طبع قدیمی کتب خانہ، مراقی الفلاح ص ۱۹۲ طبع مکتبہ امدادیہ) یاد رہے کہ یہاں لذتوں سے مراد اخروی لذتیں ہیں نہ کہ دنیا و آخرت کی ساری لذتیں قبر میں جمع کر دی گئیں ہیں، استاذ مکرم مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی عبارت نقل کر کے اس کا محض ترجمہ کیا ہے مگر مولوی امیر عبد اللہ صاحب یہ بتائے بغیر کہ یہ ایک حنفی محقق کی عبارت ہے استاذ مکرم پر جرح کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''یہ ظالمانہ حوالہ لکھ کر کیا مولانا صاحب نے دیوبندیوں کے مذہب کا خون نہیں کیا؟ اکابرین دیوبند کا ایسے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (اعلان حق ص ۱۲)

جناب والا! دیوبند کے اکابرین کا اپنا کوئی الگ مذہب نہیں، یہ حنفی ہیں، اور یہ عبارت فقہ حنفی کی کتاب کی ہے، اب یوں کہیں کہ جی علماء احناف کا ایسے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، مگر اس جرات سے پہلے علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کو ذرا حوالہ پیش کر کے احناف کی صف سے نکالئے، اور فتاوی عالمگیری میں بھی سماع عند القبر لکھا ہے اس کے مرتبین پر بھی یہی تبصرہ فرما لیں یہی ظلم جناب نے استاذ صاحب کی دوسری عبارات پر بھی کیا ہے۔

<u>فتاوی عالمگیری</u>: (۱۹) فقہ حنفی کے معتبر و مستند فتاوی عالمگیری (جس کو تقریباً ۵۰۰ علماء کی جماعت نے

مرتب کیا اس) میں ہے کہ روضہ مبارکہ پر حاضر ہونے والا مسلمان یوں سمجھے: "کانہ نائم فی لحدہ عالم بہ یسمع کلامہ کذا فی الاختیار شرح المختار" (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۲) گویا کہ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں سوئے ہوئے اور حاضر ہونے والے کو جان رہے ہیں اور اس کا کلام سن رہے ہیں، جیسا کہ کتاب اختیار شرح مختار میں ہے۔

یاد رہے کہ الاختیار شرح مختار بھی فقہ حنفی کی کتاب ہے اس حوالے میں فقہ حنفی کے دو حوالے پیش ہوگئے۔

علامہ احمد طحطاوی رحمہ اللہ: (۲۰) فقیہ علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۳۱ھ) فرماتے ہیں: "فانہ ﷺ یسمعها ای اذا کانت بالقرب منہ قولہ و تبلغ الیہ ای یبلغها الملک الیہ اذا کان المصلی بعیداً" (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۷۴۶) یعنی آپ ﷺ اس وقت درود شریف سنتے ہیں جب پڑھنا قریب سے ہو، اور آپ ﷺ تک درود شریف پہنچتا ہے یعنی فرشتے پہنچاتے ہیں جب درود شریف پڑھنے والا دور ہو۔

یہ بھی فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے اس کے بعد بھی کوئی اپنے کو حنفی اور دیوبندی بھی کہلائے اور اس کا قائل نہ ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے کئی لوگ بدعت کر کے بھی اپنے کو سنی کہتے ہیں بلکہ اصلی سنی کہتے ہیں اور اہل حق کو بدعتی اور اہل ہوا کہتے ہیں۔

چیلنج: کوئی بھی مماتی فقہ حنفی کے کسی بھی معتبر فتاویٰ میں وہ چھوٹا ہو یا بڑا ایسی صریح عبارت دکھا دے کہ آپ ﷺ روضہ مبارکہ پر حاضر شخص کا سلام نہیں سنتے؟؟ مولوی امیر عبداللہ نے بدعتیوں کی طرح عمومات کا اور مفہوم مخالف کا سہارا لیکر اپنا مسلک ثابت کرنے کی کوشش تو کی ہے مگر ایک بھی صریح عبارت عدم سماع کی پیش نہیں کی، نہ ہی پیش کر سکیں گے ان شاء اللہ؟؟ آگے مولوی صاحب کے رسالے پر تبصرہ آنے والا ہے، ان شاء اللہ۔

مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ علماء دیوبند کا مسلک: (۲۱) حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وہ (یعنی علماء دیوبند) برزخ میں آپ ﷺ کی جسمانی (جسم عنصری کے ساتھ) حیات کے قائل ہیں لیکن وہاں معاشرت دنیوی کے قائل نہیں وہ اس کے اقراری ہیں کہ آج بھی امت کے ایمان کا تحفظ گنبد خضراء ہی کے منبع ایمانی سے ہو رہا ہے لیکن پھر بھی وہ آپ کسی کو حاضر و ناظر نہیں جانتے۔ (مسلک علماء دیوبند ص ۲۴ طبع دار الاشاعت)

مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ: (۲۲) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جماہیر امت محمدیہ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ قبر اطہر میں حیات مخصوص کے ساتھ حیات ہیں، باقی یہ بات کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ حضرت حق کو ہی معلوم ہے وہ حیات حضور انور ﷺ پر میت کے اطلاق کے منافی نہیں۔" (کفایت المفتی ج ۱ ص ۹۱)

اور فرماتے ہیں: "انبیاء علیہم السلام کے سوا اور کسی آدمی کی قبر پر سلام کرنا اور یہ سمجھنا کہ وہ سنتے ہیں درست نہیں۔" محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (ارشاد الاصاغر ص ۱۰ مرتب مولوی سجاد بخاری)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی اس قدر حیات کے قائل ہیں کہ قبر کے پاس سننا مانتے ہیں، البتہ دوسرے مردوں کے سماع کا انکار فرمایا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ: (۲۳) اس سلسلے میں آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا اور اس کی جماعت کا موقف بھی بیان ہو جائے چنانچہ شیخ کے بیٹے عبداللہ صاحب کہتے ہیں: "ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا درجہ اور مرتبہ تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے اور آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی یہ حیات برزخی حیات ہے اور یہ شہداء کرام کی حیات سے زیادہ بلند

درجہ کی ہے کیونکہ بلا شک وشبہ آپ ﷺ شہداء سے افضل ہیں اور آپ ﷺ سلام عرض کرنے والے کا سلام سنتے ہیں اور آپ ﷺ کی زیارت مسنون ہے۔"

(شیخ محمد بن عبدالوہاب، مؤلفہ مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ سنی تحفہ ص ۴۱ کتب از شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب)

ایک مغالطہ: (ہدایہ ج ا ص ۱۶۰) میں ہے و ھو الیوم کما وضع آپ ﷺ آج بھی ویسے ہیں جیسے رکھے گئے ہیں، اس عبارت کا مطلب مماتی غلط لیتے ہیں کہ آج بھی ویسے ہی (معاذ اللہ) بغیر روح اور تعلق روح کے ہیں جیسے رکھے گئے ہیں، حالانکہ عبارت کا یہ مطلب بالکل غلط اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل ہے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کے متعلق فرماتے ہیں: ای و الحال انہ الیوم کما وضع لان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء علیھم السلام (البنایہ ج ا ص ۱۸۶) یعنی حال یہ ہے کہ آپ ﷺ آج بھی اسی طرح ہیں جیسے رکھے گئے ہیں کیونکہ زمین انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ عبارت صرف جسم مبارک کے بارے میں ہے نہ کہ روح مبارکہ کے بارے میں، ہدایہ میں جس بحث میں درج ہے وہ بحث بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ یہ جسم اطہر کے بارے میں ہے، خوامخواہ اس کو روح کے تعلق ہونے یا نہ ہونے سے جوڑنا دھوکہ دہی کے سواء کچھ نہیں ہے، کیونکہ ہدایہ کتاب الایمان باب الیمین بالقتل والضرب میں قبر کے اندر عذاب دیئے جانے والے سے متعلق ذکر ہے و من یعذب في القبر یوضع فیہ الحیاۃ في قول العامۃ (کتاب الیمین) جس کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ اس میں حیات ڈالی جاتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ عذاب کے بجائے راحت دیئے جانے والے میں بھی راحت محسوس کرنے کیلئے حیات ڈالی جاتی ہے، اور سب سے بڑھ کر راحت انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے تو صاحب ہدایہ کافر کے جسم میں زندگی مانتے ہیں تو کیا انبیاء علیہم السلام میں زندگی نہ ہونے کے قائل ہیں؟

انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ حیات برزخی ہے

انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق یہ اختلاف بھی چلا اور مولوی امیر عبداللہ اور مماتیوں نے اس کو کچھ زیادہ ہی ہوا دینے کی کوشش کی، اور تاثر یہ دیا کہ ہمارا اور ان دیوبندیوں کا اختلاف گویا بس یہی ہے کہ دیوبندی کہلانے والے نبی کریم ﷺ کی ۶۳ سال کی دنیاوی زندگی کے بعد بھی ویسی ہی دنیاوی زندگی مانتے ہیں، حالانکہ دنیاوی کہنا اور برزخی کہنا محض لفظی اختلاف کہا جا سکتا ہے، اصل بات جسم عنصری کی حیات کی ہے۔

دنیاوی حیات کہنے والوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ روح کے اپنے مقام میں رہتے ہوئے جسم سے تعلق ہونے کی وجہ سے دنیا والے جسم عنصری میں بھی زندگی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ نواب قطب الدین دہلوی رحمہما اللہ وغیرہ نے دنیاوی حیات فرمایا اور کئی اکابر نے برزخی قرار دیا، دونوں کا ایک ہی مطلب ہے کہ روح مبارکہ کے تعلق سے جسم عنصری میں برزخی حیات حاصل ہے لیکن صرف روح مبارکہ یا صرف جسم مثالی کی حیات کا اکابرین میں سے کوئی بھی قائل نہیں رہا ہے، اگر یہ لوگ اس کا دعوی کرتے ہیں تو صرف ایک بزرگ کی صاف صریح عبارت پیش کریں" ولا یاتون بہ، ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا، وفی ھذہ کفایۃ لمن لہ الھدایۃ"